قرآن وسنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ صدائے حق بنگلور

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری زیدت معالیہم

استاذ حدیث و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر

عبدالرزاق بنگلوری

نائب مدیر

مفتی عبدالرحمٰن بنگلوری

ناشر

مجلس، صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور-78

قرآن وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ

صدائے حق بنگلور

جلد:۰۳	شمارہ:۴	ماہ اکتوبر ۲۰۲۲ء	ماہ ربیع الاوّل ۱۴۴۴ھ

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذِ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر	نائب مدیر
عبدالرزاق بنگلوری	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری

مجلس ادارت

مفتی محمد علی صاحب قاسمی

مولانا محمد اُویس صاحب رشادی

مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی

مجلسِ مشاورت

مولانا اشرف صاحب قاسمی

مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری

مفتی عبدالفتاح صاحب قاسمی

ADVERTISEMENT TARIFF

Full Page (Title Back Cover) 6000/-

Full Page (Title Inner Cover) 5000/-

Black and White

Full Page (Inside Pages) 2000/-

Half Page (Inside Pages) 1000/-

Cuarter Page (Inside Pages) 500/-

Phone Pe & Google Pay:7406464533

مضمون نگار کی آرا سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

شائع کردہ

مجلس: صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور 78

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	اسمائے محررین	مضامین	عناوین
۳	عبدالرزاق بنگلور	نشہ کی عیاشی میں دم توڑتے ہوئے جوان	اداریہ
۶	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری	انسان کا دنیا میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا اُس نے استعمال کرلیا	درسِ حدیث
۱۲	مفتی سلطان خان قاسمی	کمالِ ایمان کا مدار حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے	سیرت النبیؐ
۱۸	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	ایک سنگین مسئلہ	اصلاحِ معاشرہ
۲۲	مولانا عمرین محفوظ رحمانی صاحب	اتفاق نہ کیا کریں	// // //
۲۴	مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری	باقی رہنے والے اعمال	// // //
۲۸	مفتی محمد اسجد صاحب ندوی قاسمی	آپ اپنے حاسد کو کبھی خوش نہیں کرسکتے	// // //
۳۰	مولانا محمد اویس صاحب رشادی	ہمارے مخدوم جوارِ رحمت میں (قسط دوم)	تذکرۂ اولیاؒ
۳۷	مولانا نجم الدین صاحب قاسمی	علم وادب کی قدر آور شخصیت	// // //
۴۰	مولانا محمد اویس صاحب رشادی	نعت پاک	

اطلاعِ عام

نوٹ: مضمون نگار اپنے مضامین مندرجہ ذیل ای میل (E-mail) یا واٹسیپ (WhatsApp) پر ان پیج (InPage) فائل روانہ کرسکتے ہیں، جزاکم اللہ خیراً وأحسن الجزاء.

Email: muftiabdurrahman57@gmail.com

Whatsapp No: 09620795460 - 9739349433

ادار یہ

نشہ کی عیاشی میں دم توڑتے ہوئے جوان

از: عبدالرزاق بنگلوری

موجودہ دَور میں نشے کی دیوانگی نوجوانوں کو برباد کر کے قبر کے گڑھے تک پہنچارہی ہے، اوراس کا استعمال سراسر نقصان وخسران ہے، نشے کے نقصانات ظاہر ہیں، سب سے بڑا نقصان تو خود اس کی صحت کا ضیاع ہے، نشہ آور چیز اپنے استعمال کرنے والے کے گُردے، پھیپھڑے، جگر، معدہ، اعصاب، پٹھے اور جسم کا سارا نظام تباہ کردیتی ہیں۔

نشہ آور چیزیں اپنے عادی کی صحت، فیملی لائف، کیریر، کاروبار، زندگی سب کو کھنڈر بنا کر آخر کار موت کے منہ میں دھکیل دیتی ہے، اور نشے کا دیوانہ اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے ہر جرم کا ارتکاب کر کے حیوانیت کو شرمسار کرتا ہے، بالآخر یہ نشہ آور اشیاء سرمایہ داروں کو دولت سے، صنعت کاروں کو صنعت کاری سے، دوشیزاؤں کو عصمت وعزت سے اور اہلِ علم کو فہم وفراست سے اور خود جانتے بوجھتے لوگوں کو حلال وحرام کی تمیز کرنے سے دُور کررہی ہیں اور لوگ ایک ہنستی کھیلتی زندگی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوجاتے ہیں، خصوصاً مسلم معاشرے کو درپیش اس اہم ترین مسئلے سے نہ تو آنکھیں چرائی جاسکتی ہیں اور نہ ہی اپنی پروان چڑھتی ہوئی نسل کو اس کے رحم وکرم پر چھوڑا جاسکتا ہے، نشہ آور اشیاء میں سے سب سے بڑی نشہ آور چیز شراب ہے، جس کی قباحت قرآن اور حدیث میں بالکل واضح ہے، اور آخرت میں شرابی کا انجام بھی بہت بُرا ہے، آج امت میں شراب عام ہوچکا ہے، اور شراب کا عیب جیسا ہونا چاہیے ماحول میں ایسا باقی نہیں رہا، باپ بیٹے کے سامنے اور بیٹا باپ کے سامنے شراب پی رہا ہے، اور کسی میں کوئی غیرت باقی نہیں رہی، اور شراب کی قباحت اور بُرائی کے سلسلے میں امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’’الترغیب والترہیب‘‘ میں ۵۷/احادیث نقل فرمائی ہیں، اُن میں سے ایک حدیث ہم یہاں نقل کردیتے ہیں، جو ترمذی شریف کے اندر بھی موجود ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے:

(۱) شراب بنانے والے ملازم پر

(۲) وہ شخص جو اپنے لیے شراب بنواتا ہے

(۳) شراب پینے والے پر

(۴) شراب اِدھر سے اُدھر لے جانے والے پر

(۵) جس کے واسطے اِدھر سے اُدھر لے جایا جائے

(۶) شراب پلانے والے پر

(۷) شراب بیچنے والے پر

(۸) شراب کی قیمت کھانے والے پر

(۹) شراب خریدنے والے پر

(۱۰) جس کے لیے شراب خریدی جائے اس پر لعنت بھیجی ہے۔

(ترمذی شریف: ۱/۲۴۲۔ الترغیب والترہیب للمنذریؒ: ج۳، ص/۱۷۴

آخرت میں شرابی کا حشر یہ ہوگا کہ جہنم کے اندر زانیہ عورتوں کو جو عذاب دیا جائے گا اُن میں سے ایک عذاب یہ بھی ہوگا کہ ان کی شرم گاہ سے گندا خون اور پیپ اس طریقے سے کثرت کے ساتھ بہنے لگے گا کہ اس کے بہنے کی وجہ سے باقاعدہ ایک نہر بن جائے گی، تو شرابی کو اس طرح زانیہ عورتوں کی شرم گاہوں سے بہتا ہوا خون اور پیپ کی نہر سے پلایا جائے گا، اور یہی شرابیوں کے کھانے پینے کی غذا ہوگی۔ (الترغیب والترہیب للیافعیؒ: ص/۱۵۷)

نہایت عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے کہ دنیا ہی میں اس کو کئی طرح کی بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں، شرابی کے بدن سے ایک خطرناک بدبو آنے لگے گی، جس کی وجہ سے اس کی بیوی بچے بھی اس کے قریب آنا گوارا نہیں کریں گے، اور اس کی عقل وفراست مارکھا جاتی ہے، اور وہ اپنے بیوی بچوں پر ظلم کرنے لگتا ہے، اور بدن کا کوئی عضو اس کا صحیح سالم نہیں رہتا اور فرشتے اس کے قریب ہونا تو دُور کی بات، لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگیں گے، اور یہی عالم ہوتا ہے بیڑی، سگریٹ اور گٹکھا کھانے والوں کا، کہ ان کے منہ سے اس قدر بدبو آنے لگتی ہے کہ دوست واقارب بھی قریب نہیں آتے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بدبودار شخص کو مسجد میں آنے سے منع کیا ہے؛ کیونکہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور وہاں فرشتوں کا ماحول ہمیشہ سجا رہتا ہے، اور اس کی بدبو سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے بجائے دعا پر آمین کہنے کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے بڑی، سگریٹ نوشی اور گٹکھا کھانے کو مکروہِ تحریمی لکھا ہے۔

آج امت کے اندر بڑے طبقے میں یہ ایک غذا کی شکل بن گئی ہیں، جو اس کا عادی ہوتا ہے اس کو کھانا نہ ملے تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن بیڑی، سگریٹ اور گٹکھے کے بغیر وہ جی نہیں سکتا، اب ہم خود غور کریں کہ جس میں سراسر نقصان ہی نقصان ہو ایک پیسے کا بھی نفع نہ ہو اور دوسروں کو جس سے تکلیف ہوتی ہو ایسی اشیاء استعمال کر کے اللہ

اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے راضی کرنے کے ناراضگی ہمارے مقدر ہورہی ہے، اب اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوناراض کرکے زندگی گزاریں گے تو آخر اللہ کے سامنے حاضر بھی تو ہونا ہے، اس وقت ہم اپنے خالقِ حقیقی کو کیا منہ دکھلائیں گے۔

حرفِ آخر:

میں امت کے اس طبقے سے ہاتھ جوڑ کر گوش گزار ہوں کہ اس لعنت سے نکل کر اپنی آخرت کو بنانے اور سنوارنے کی کوشش کریں؛ کیونکہ نشے کے زہر سے نسلِ نو مررہی ہے، انسانیت دم توڑ رہی ہے، قوم کے مقدر کا درخشندہ ستارہ روبہ زوال ہے؛ اِس لیے دیگر تنظیموں کی طرح سبھی کو اس مہم کو لے کر آگے بڑھنا ہوگا، پولیس کو فعال اور متحرک ہوکر اس بُرائی کو روکنا ہوگا اور حکومت اور خفیہ ایجنسیوں کو چاہیے کہ وہ انسانیت کے سوداگروں کو بے نقاب کریں، اور والدین کو اپنی اولاد کی ہر نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھنی ہوگی، اگر اس طرح مکمل تیاری کی جائے تو ہوسکتا ہے یہ تلاطم خیز سیلاب تھم سکے؛ ورنہ وہ دن دُور نہیں جب ایک گھر کے چار افراد میں سے ایک پر شراب کی پھٹکار، دوسرا گٹکھے کا بیمار، تیسرا سگریٹ کی لعنت میں گرفتار، اور چوتھا ڈرگس کا شکار ہوگا، ہم دعا گو ہیں کہ اللہ ہماری نشے کی لعنت میں ملوث ہونے سے حفاظت فرمائے اور ہماری نسلوں کو تا قیامت اس برائی سے محفوظ رکھے، اور دین کی صحیح سمجھ بوجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

❑❖❑

درسِ حدیث

انسان کا دنیا میں اتنا ہی حصہ ہے، جس کو اس نے استعمال کرلیا!

ازقلم: مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری، ناظم مدرسہ دارالتوحید، اعلیٰ ہلی بنگلور

عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ إِنْتَهٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ: ﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ قَالَ: يقُوْلُ ابْنُ آدَمَ مَالِيْ مَالِيْ وَهَلْ لَکَ مِنْ مَالِکَ إِلَّا مَاتَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ أَوْ أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْلَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ. هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

(جامع الترمذي: ٦٠/٢)

حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''تمہیں تکاثر (دنیا کے مال وسامان پر فخر کرنے) نے غافل کررکھا ہے'' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان کہتا ہے: (یہ) میرا مال! (وہ) میرا مال! حالانکہ تیرے لیے تیرے مال میں سے نہیں؛ مگر جو تو نے خیرات کیا، پس اس کو آگے بڑھادیا، یا کھالیا بس اس کو ختم کردیا، پہن لیا بس اس کو بوسیدہ کردیا یعنی اتنا پہنا کہ وہ پھٹ گیا۔

مال کمانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش امر مذموم ہے:

تکاثر کے معنیٰ ہیں ''مقابلہ'' جب انسان دنیا کمانے اور حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو یہ عمل آخرت سے غافل کردیتا ہے؛ اسی لیے ارشادِ ربانی عزاسمہٗ ہے:

﴿أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾. (سورۂ تکاثر، پ:۳۰، رقم الآیۃ:۱-۲)

غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے یہاں تک کہ جادیکھیں قبریں۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی مال واولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز وسامان کی حرص آدمی کو غفلت میں پھنسائے رکھتی ہے، نہ مالک کا دھیان آنے دیتی ہے نہ آخرت کی فکر، بس شب وروز یہی دُھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال ودولت کی بہتات ہو، اور میرا کنبہ اور جتھا سب کنبوں اور جتھوں سے غالب رہے۔ یہ پردہ غفلت کا نہیں اُٹھتا، یہاں تک کہ موت آجاتی ہے، تب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑے ہوئے تھے، محض چندروز

کی چہل پہل تھی، موت کے بعد وہ سب سامان ہیچ؛ بلکہ وبالِ جان ہیں۔

تنبیہ: بعض روایات میں آیا ہے "اَللّٰہُ أَعْلَمُ بِصِحَّتِہَا" کہ ایک مرتبہ دو قبیلے اپنے اپنے جتھے کی کثرت پر فخر کررہے تھے، جب مقابلہ کے وقت ایک کے آدمی دوسرے سے کم رہے تو اس نے کہا کہ ہمارے اتنے آدمی لڑائی میں مارے جاچکے ہیں، چل کر قبریں شمار کرلو، وہاں پتہ لگے گا کہ ہمارا جتھا تم سے کتنا زیادہ ہے، اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزرے ہیں، یہ کہہ کر قبریں شمار کرنے لگے، اس جہالت وغفلت پر تنبیہ کرنے کے لیے یہ سورت نازل ہوئی۔ (ماخوذ فوائدِ عثمانیؒ)

آخرت کے مقصد کے بغیر انسانی زندگی کا خلاصہ:

جو شخص بھی صرف دنیا ہی کو مقصد بنا کر زندگی گزارتا ہے اس کی زندگی کے چار مراحل ہوتے ہیں، اُس کو بالترتیب قرآنِ پاک نے بیان فرمایا ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ، کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا، وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ، وَّمَغْفِرَۃٌ مِنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ، وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرُ.

(سورۃالحدید، پ:۲۷، رقم الآیۃ: ۲۰، رکوع:۳)

جان رکھو کہ دنیا کی زندگانی یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتایت ڈھونڈنی مال کی اور اولاد کی جیسے حالت ایک مینہ کی جو خوش لگا کسانوں کو اُس کا سبزہ پھر زور پر آتا ہے پھر تو دیکھے زرد ہوگیا پھر ہوجاتا ہے روندا ہوا گھاس اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہے اللہ سے اور رضامندی اور دنیا کی زندگی تو یہی مال دغا کا۔ (شیخ الہندؒ)

تشریح:

آدمی کو اوّل عمر میں کھیل چاہیے، پھر تماشا، پھر بناؤ سنگار (اور فیشن) پھر ساکھ بڑھانا اور نام ونمود حاصل کرنا، پھر موت کا دن قریب آئے تو مال واولاد کی فکر کہ پیچھے میرا گھر بار بنا ہے اور اولاد آسودگی سے بسر کرے؛ مگر یہ سب ٹھاٹھ سامان فانی اور زائل ہیں، جیسے کھیتی کی رونق وبہار چندروزہ ہوتی ہے، پھر زرد پڑجاتی ہے اور آدمی اور جانور اُس کو روند کر چورا کردیتے ہیں۔ اُس شادابی اور خوبصورتی کا نام ونشان نہیں رہتا۔ یہ ہی حال دنیا کی زندگانی اور اُس کے ساز وسامان کا سمجھو کہ وہ فی الحقیقت ایک دغا کی پونجی اور دھوکے کی ٹٹی ہے۔ آدمی اس کی

عارضی بہار سے فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے؛ حالانکہ موت کے بعد یہ چیز کام آنے والی نہیں، وہاں کچھ اور ہی کام آئے گا، یعنی ایمان اور عملِ صالح۔ جو شخص دنیا سے یہ چیز کما کر لے گیا، سمجھو بیڑا پار ہے۔ آخرت میں اس کے لیے مالک کی خوشنودی و رضامندی اور جو دولتِ ایمان سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر پہنچا اُس کے لیے سخت عذاب اور جس نے ایمان کے باوجود اعمال میں کوتاہی کی اس کے لیے جلد یا بدیر دھکے مُکّے کھا کر معافی ہے، دنیا کا خلاصہ وہ تھا، آخرت کا یہ ہوا۔ (ماخوذ از فوائدِ عثمانیؒ)

وَهَلْ لَّکَ مِنْ مَالِکٍ إِلَّا مَاتَصَدَّقْتَ إلخ:

انسان اس غلط فہمی میں ہوتا ہے اس کی کمائی اور اس کے ذریعہ کمایا ہوا مال اس کا ہے، بزعم خود یہ گمان کرتا ہے کہ میرے ہنر سے اللہ نے مجھے یہ مال دیا ہے؛ چنانچہ اسی غلط فہمی (کج فہمی) کی بنیاد پر قارون ناکام ہو گیا تھا، اس کا دعویٰ تھا: ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ﴾ یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہُنر سے جو میرے پاس ہے، اس کے گمان میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ میں ہنرمند تھا، کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا، اپنی لیاقت وقابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دولت حاصل ہوئی، اللہ نے بھی میری لیاقت کو دیکھ کر اور قابل جان کر یہ کچھ دیا ہے۔ کیا یوں ہی بیٹھے بٹھائے بے محنت مل گیا ہے؟ یہ قارونی ذہانت تھی، جس کا تدارک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال انسان کا دنیا میں بس اتنا حصہ داری ہے جو وہ خیرات کر دیا اور آگے آخرت کے لیے ذخیرہ بنا دیا یا کھالیا، اس کو استعمال میں لاکر ختم کر دیا، پہن کر استعمال کیا، اتنا استعمال کیا کہ وہ بوسیدہ ہو کر پھٹ گیا، بس یہ انسان کی ملکیت ہے، اس کے علاوہ اس کا کچھ حصہ دنیا میں نہیں ہے۔

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انسان کے لیے ان تین باتوں کے علاوہ میں کوئی حق نہیں: (۱) ایسا گھر جس میں رہتا ہو (۲) اور ایسا کپڑا جس سے ستر پوشی کرے (۳) اور روکھی (بے سالن) روٹی اور پانی۔

یہ تین چیزیں انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں، ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا، اگر کسی کو یہ چیزیں میسر ہیں تو اسے دوسری چیزوں کی حرص نہیں کرنی چاہیے، ان پر قناعت کرنی چاہیے؛ چونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت کا خاص فتنہ مال ہوگا، جب آدمی اس کی حرص میں بے دریغ لگ جاتا ہے اور مال کی فراوانی ہوتی ہے، رزق وسعت سے ملتا ہے، تو نتیجتاً اللہ کو اور آخرت کو بھول جاتا ہے، یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے، اور نمازوں میں سستی اور کاہلی پیدا ہو جاتی ہے، اور اللہ سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے؛ اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے ضرورت سے زیادہ باغات اور باغیچوں سے منع کیا ہے، اس کی وجہ سے اس سے اہم چیز اُمورِ آخرت سے غافل ہوجاتا ہے، ویسے تمام ہی انسان ناکامی وخسران میں ہیں، بجز چندلوگوں کے، وہی انسان کامیاب وبامراد ہے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ○ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○﴾

(سورة العصر: ۳۰، رقم الآية: ۱ تا ۳)

قسم ہے عصر کی (''عصر'' زمانہ کو کہتے ہیں یعنی قسم ہے زمانہ کی، جس میں انسان کی عمر بھی داخل ہے، جسے تحصیل کمالات وسعادت کے لیے ایک متاع گراں مایہ سمجھنا چاہیے یا قسم ہے نمازِ عصر کے وقت کی جو کاروباری مشغولیت اور شرعی نقطۂ نظر سے نہایت فضیلت کا وقت ہے (حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی گویا اُس کا سب گھر بار لُٹ گیا) یا قسم ہے ہمارے پیغمبر کے زمانۂ مبارک کی، جس میں رسالتِ عُظمیٰ اور خلافتِ کبریٰ کا نور اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکا) مقرر انسان ٹوٹے میں ہے (اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے دوکاندار کی طرح اس کی تجارت کا رأس المال جسے عمرِ عزیز کہتے ہیں، دم بدم کم ہوتا جارہا ہے، اگر اس روا داری میں کوئی ایسا کام نہ کرلیا جس سے یہ عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے؛ بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لیے کارآمد بن جائے، تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں، زمانہ کی تاریخ پڑھ جاؤ اور خود اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرو تو ادنیٰ غور وفکر سے ثابت ہوجائے گا کہ جن لوگوں نے انجام بینی سے کام نہ لیا اور مستقبل سے بےپرواہو کر محض خالی لذتوں میں وقت گزار دیا، وہ آخر کار کس طرح ناکام ونامراد؛ بلکہ تباہ وبرباد ہوکر رہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وقت کی قدر پہچانے اور عمرِ عزیز کے لمحات کو یوں ہی غفلت وشرارت یا لہو ولعب میں نہ گنوائے۔ جو اوقات تحصیل شرف ومجد اور اکتسابِ فضل وکمال کی گرم بازاری کے ہیں، خصوصاً گراں مایہ اوقات جن میں آفتابِ رسالت اپنی انتہائی نورافشانی سے دنیا کو روشن کررہا ہے، اگر غفلت ونسیان میں گزار دیے گئے، تو سمجھو کہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لیے کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا۔ بس خوش نصیب وار اقبال مند انسان وہی ہیں جو اس عمر فانی کو باقی اور ناکارہ زندگی کو کارآمد بنانے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور بہترین اوقات اور عمدہ مواقع کو غنیمت سمجھ کر کسبِ سعادت اور تحصیلِ کمال کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر آگے ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ میں کیا گیا ہے) مگر جو لوگ کہ یقین لائے اور کیے بھلے کام اور آپس میں تاکید کرتے رہے، سچے دین کی اور آپس میں تاکید کرتے رہے، تحمّل کی (یعنی انسان کو خسارہ سے بچنے کے لیے چار باتوں کی ضرورت ہے۔ اوّل خدا اور رسول صلی اللہ علیہ

وسلم پر ایمان لائے اور اُن کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے پورا یقین رکھے۔ دوسرے اس یقین کا اثر محض قلب ودماغ تک محدود نہ رہے؛ بلکہ جوارح میں ظیاہر ہو، اور اس کی عملی زندگی اُس کے ایمانِ قلبی کا آئینہ ہو، تیسرے محض اپنی انفرادی صلاح وفلاح پر قناعت نہ کرے؛ بلکہ قوم وملّت کے اجتماعی مفاد کو پیشِ نظر رکھے، جب دو مسلمان ملیں، ایک دوسرے کو اپنے قول وفعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت ووصیت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی وقومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلافِ طبع اُمور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر واستقامت سے تحمل کریں، ہرگز قدم نیکی کے راستہ سے ڈگمگانے نہ پائے۔ جوخوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کیجا مع ہوں گے اور خود کامل ہوکر دوسروں کی تکمیل کریں گے اُن کا نام صفحاتِ دہر پر زندہ جاوید رہے گا اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ اُن کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔ فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورت سارے دین وحکمت کا خلاصہ ہے۔ امام شافعیؒ نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورت نازل کردی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) ہدایت کے لیے کافی تھی۔ بزرگانِ سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے، جُدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

(ترجمہ شیخ الہندؒ مع فوائد عثمانیؒ)

دنیا میں انسان کی کتنی حصہ داری ہے؟

انسان کا دنیا میں اتنا ہی حصہ ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا، جو کھالیا اور ختم ہوگیا یعنی جتنا اس کی زندگی کی بقاء کے لیے ضروری ہے وہ فقط انسان کا ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ کے اپنے ذمہ کے حقوق ادا کرسکیں، اللہ نے تخلیقِ انسانی اسی مقصد کے تحت کی ہے کہ وہ محض اللہ کی عبادت کرے؛ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ○ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○﴾ (پ:۲۷، سورۂ ذاریات، رقم الآیۃ:۵۶تا۵۸، رکوع نمبر:۳)

اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو (یعنی اُن کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے؛ اِسی لیے اُن میں خلقۃً ایسی استعداد رکھی ہیکہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں یوں ارادۂ کونیہ قدریہ کے اعتبار سے تو ہر چیز اُس کے حکمِ تکوینی کے سامنے عاجز اور بے بس ہے؛ لیکن ایک وقت آئے گا جب سب بندے اپنے ارادہ سے تخلیقِ عالم

کی اس غرضِ شرعی کو پورا کریں گے۔ بہرحال آپ سمجھاتے رہیے کہ سمجھانے ہی سے یہ مطلوبِ شرعی حاصل ہوسکتا ہے) میں نہیں چاہتا اُن سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں، اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا، زورآور، مضبوط۔ (شیخ الہندؒ مع فوائدِ عثمانیؒ)

انسان کے لیے دنیا میں اتنی ہی حصہ داری ہے جو اس نے کھالیا اور ختم کردیا، پہن کر پُرانا کردیا یہ انسان کی بنیادی ضروری چیزیں ہیں، دوسری قسم کی وہ چیزیں ہیں جن کا نفع انسان کو خود لوٹ کر ملتا ہے وہ یہ کہ اپنے مال میں دوسروں کے بھی حقوق ادا کرے، زکوٰۃ کے علاوہ بھی لوگوں کے حقوق ادا کرے، اب ان تصرفات کے بعد جو مال بچتا ہے وہ لوگوں کے لیے چھوڑا جانے والا مال ہے، اگر انسان غور کرے تو وہ ان اشیاء کے علاوہ کسی چیز کا بھی مالک نہیں ہے، اسی وجہ سے جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے، اُونچی اُونچی عمارتیں، خوبصورت سواریاں اور دیگر تمام اشیاء دوسروں کی ملک میں منتقل ہوجاتی ہیں، اس کا مالک مُردہ انسان نہیں رہتا۔

اللہ رب العزت ہمیں اپنی حقیقت کو سمجھ کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا کرے، آمین۔

سیرتِ نبویؐ

کمالِ ایمان کا مدار حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے

از: مفتی محمد سلطان قاسمی، خطیب وامام مسجد ابوبکر صدیقؓ ڈی جے ہلی بنگلور

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا: محبت کے چار اسباب ہیں:

(۱) سببِ قرابت: انسان کسی سے رشتہ داری کی بنا پر محبت کرتا ہے (۲) سببِ جمال: یا کسی کے حسن و جمال کو دیکھ کر اس سے محبت کرتا ہے (۳) سببِ کمال: یا کسی کے کمالات سے مرعوب ہو کر اس سے محبت کرتا ہے (۴) سببِ احسان: یا کسی کے احسانات کے تلے دَب کر اس سے محبت کرتا ہے، اگر ہم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں غور وخوض کر کے دیکھیں تو محبت کے یہ چاروں اسباب بدرجۂ اتم اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں ودیعت فرمائے ہیں۔

(۱) سببِ قرابت: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جو قرابت ورشتہ داری ہمارے ساتھ ہے وہ دنیا کی تمام رشتہ داریوں اور قرابتوں سے بالاتر ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ﴾ (سورۂ احزاب آیت: ۱۲)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لگاؤ مؤمنین کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ مؤمنین کی مائیں ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہماری مائیں ہیں تو آپؐ ہمارے باپ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایسے باپ ہیں کہ ہمارے ماں باپ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار بار قربان ہیں اور ہمارے ماں باپ ہمارے لیے دنیا میں آنے کا سبب ہیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے ان تمام خوبیوں وکمالات کے پیدا ہونے کا سبب وواسطہ ہیں، جو انسانوں کے اندر آسکتی ہیں؛ لہٰذا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمارے لیے سببِ قرابت بدرجۂ اتم واکمل موجود ہے۔

محبت کا دوسرا سبب حسن وجمال ہے: اگر اللہ پاک نے کسی کو اعلیٰ درجہ کا حسن وجمال دے رکھا ہو تو ہر دیکھنے والے کو اس سے محبت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نوعِ انسانی میں سب سے حسین وجمیل بنایا تھا جیسا کہ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن

کو بیان کرتے ہوئے قسمیہ الفاظ ذکر فرمائے ہیں، اور جن بابرکت ہستیوں نے اپنی آنکھوں سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اُن تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے؛ چنانچہ محدثینِ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورتی کی تمام تر روایتوں کو حدیث کی بڑی بڑی اور ضخیم کتابوں میں کھول کھول بیان کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت مروی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال تمام انسانوں کے حسن و جمال سے فائق تھا، جس کے حسن و جمال کے ذریعہ تاریک رات میں چمک اور روشنی پیدا ہوجاتی ہو، حدیث کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

عن عائشةؓ قالت إستعرتُ من حفصة بنت رواحة اِبرةً كنتُ أخيط بهَا ثوبَ رسولِ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم فسقطتُ عني الإبرة فطلبتها فلم أقدر عليها فدخل رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم فتبينت الإبرة بشعاع نور وجههٖ فضحكتُ. (کنز العمال علیٰ ہامش مسند امام احمد بن حنبل: ۳/۹۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت حفصہ بنتِ رواحہ رضی اللہ عنہا سے ایک سوئی عاریت پر لے رکھی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا سلا کرتی تھی، وہ سوئی مجھ سے گرگئی، میں نے اسے خوب تلاش کیا؛ مگر (تاریکی کی وجہ سے) سوئی کے حصول پر میں کامیاب نہ ہوسکی، جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کے نُور کی شعاؤں سے سوئی چمکنے لگی میں نے ہنس کر اُٹھالی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لَنَا شَمْسٌ وَلِلْآفَاقِ شَمْسٌ ❖ وشمسي أفضل شمس السماء

''ہمارا ایک سورج ہے اور دنیا والوں کا بھی ایک سورج ہے اور ہمارا سورج آسمان کے سورج سے افضل ہے''۔

وأحسن منک لم تر قط عين ❖ وأجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرأً من كل عيب ❖ كأنک قد خلقت كما تشاء

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر سببِ جمال بدرجۂ اکمل موجود ہے تو تمام انسانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔

محبت کا تیسرا سبب سببِ کمال ہے: کمال کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر ایسی خوبیاں موجود ہوں جو انسانوں کو عالمِ دنیا، عالمِ ملکوت اور عالمِ آخرت میں مقام عالی کے مناروں تک پہنچادیتی ہو، اور کمالات میں سب سے اعلیٰ درجہ کا کمال؛ کمالِ علمی ہے، اسی کمالِ علمی کو ثابت کرتے ہوئے امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایک لمبی حدیث ذکر فرمائی ہے، جس کا مختصر حصہ پیشِ خدمت ہے:

فنـزل جبرئيل عليه السلام ففرج صَدري ثم غسلهٗ بماءِ زَمْزَم ثمّ جاء بطشتٍ من ذهب ممتلئ حكمة وإيمانًا فافرغهٗ في صدري.

(بخاری شریف:۱/۵۰حدیث:۳۶۷-۱/۲۲۱حدیث:۱۶۰۹)

ترجمہ: پس حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان سے تشریف لاکر میرے سینہ کو چیرا پھراس کو آبِ زم زم سے دھویا پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو علم وحکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا وہ سب میرے سینے میں بھردیا۔

مزید برآں حدیث کی کتابوں میں حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، اختصاراً واشارۃً حاضرِ خدمت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال سے شجر وحجر کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھک جانا، استوانہ حنانہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کی وجہ سے چیخ چیخ کر رونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُنگلیوں کے پوروں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال سے روٹی کے چند ٹکڑوں کا اَسّی افراد کے لیے کافی ہوجانا، ایک پیالہ دودھ سے تمام اصحابِ صفہؓ کا پیٹ بھر کر سیراب ہونا، ان تمام واقعات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی وجہ سے بے جان چیزوں سے بھی اظہارِ محبت ہوتا تھا، بریں بناء تمام مؤمنین کو بھی چاہیے کہ وہ ان کمالات کو دیکھ کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں۔

محبت کا آخری سبب ہے سببِ احسان: عربی مقولہ ہے:"**الإنسان عبدالإحسان**" (انسان احسان (کرنے والوں کا) غلام بن جاتا ہے)۔یہ عام انسانوں کا احسان ہے، جبکہ سردارِ دوعالم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان تمام دنیاوالوں کے احسان سے ہزاروں درجہ بڑھ کر ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں ہم پر احسان کیا ہے؛ بلکہ محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر عالمِ برزخ اور آخرت میں بھی ہم پر احسان فرمایا ہے۔

عالمِ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان: ہم پر اتنا زیادہ ہے کہ ہم ان احسانات کا شمار نہیں کرسکتے۔ طائف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ اطہر خون سے لہولہان ہوگیا تھا، نعلین مبارک خون کے جم جانے کی وجہ سے قدم مبارک سے چمٹ گئے تھے کہ پیر نکالنا مشکل ہوگیا تھا اور غزوۂ اُحد میں سر مبارک اور چہرۂ انور زخمی

ہوکر خون کا فوارہ جاری ہوگیا اور دندانِ مبارک بھی شہید ہوگئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کا یہ حال تھا کہ مہینہ مہینہ گزر جاتا تھا ہمارے گھروں میں چولہا نہیں سلگتا تھا، اس مضمون کی ایک روایت ذکر کی جاتی ہے:

عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت إن كنا آل محمد صلّى الله عليه وسلم نمكث شهرا مانستوقد بنار إن هو إلا التمر والماء. (مسلم شریف:۲/۴۱۰)

ترجمہ: حضرت ہشام بن عروہ وہ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ ہم آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے (گھر کے حالات ایسے تھے) کہ ہم کو پورا مہینہ چولہا سلگانے کی نوبت ہی نہ آتی تھی؛ بلکہ ہمارا گزر کھجور اور پانی پر ہوجایا کرتا تھا۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی خاطر یہ قربانیاں دی ہیں؛ تاکہ اللہ پاک اس امت پر رحم فرمادے۔

عالمِ برزخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان

عالمِ دنیا کے بعد ہر انسان کا سابقہ عالمِ برزخ سے ہوتا ہے، وہاں کی مشکلوں اور تکلیفوں سے نجات مل گئی تو عالمِ آخرت میں بھی نجات مل سکتی ہے اور عالمِ برزخ کی نجات اس وقت تک مل نہیں سکتی جب تک کہ انسان حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کی گواہی نہ دے دے؛ چنانچہ بخاری شریف میں روایت موجود ہے:

أنه فيقولان ما كنت تقول في هٰذا الرجل لمحمد صلّى الله عليه وسلم فأما المؤمن فيقول اشهد أنه عبد الله ورسوله. (بخاری:۱/۱۸۴،حدیث:۱۳۵۸)

ترجمہ: دو فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ اس آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تم کیا کہا کرتے تھے؟ تو مؤمن کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

جب مؤمن قبر کے ان سوالات کے جوابات دیتا ہے تو وہیں سے اس کے لیے انعامات شروع ہوجاتے ہیں۔

عالمِ آخرت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان

جب عالمِ برزخ سے عالمِ آخرت میں اُٹھائے جائیں گے اور میدانِ محشر قائم ہوگا، جہاں پر انسان اپنے گناہوں کی بدولت اپنے ہی پسینہ میں غرق ہوگا، کسی کا پسینہ اُس کے ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا اس کے گھٹنوں تک

ہوگا، کسی کا پسینہ اس کی کمر تک ہوگا، کسی کا اس کے سینہ تک ہوگا، کسی کا پسینہ اس کے گلے تک اور کسی کا اس سے زیادہ ہوگا کہ وہ اپنے ہی پسینہ میں ڈوبنے لگے گا۔

ایسے خطرناک حالات میں ہر کوئی اپنی ہی ذات کے بارے میں سوچے گا کہ آج میرا کیا ہوگا، ایسے نفسی نفسی کے عالم میں صرف ایک ذات اور شخصیت ایسی ہوگی جس کی زبان پر امتی امتی کی صداء گونج رہی ہوگی، اس خوفناک عالم میں لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام بڑے بڑے نبیوں سے التجاء کریں گیکہ آپ ہمارے لیے شفاعت فرمادیں؛ لیکن ہر نبی عذر فرمادیں گے کہ کہیں ہماری پکڑ نہ ہوجائے، اس وقت جناب رسول اللہ تاجدارِ مدینہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی خاطر سجدہ ریز ہوکر اللہ کی خوب حمد وثناء کریں گے؛ تاکہ اللہ کا غضب وغصہ ٹھنڈا ہوجائے اور حساب وکتاب کا سلسلہ شروع ہوجائے، تو پھر اللہ پاک ارشاد فرمائیں گے:

یامحمد! ارفع رأسک سل تعطه واشفع تشفع فأرفع رأسي فأقول أمتي یارب أمتي یارب فیقال یا محمد! ادخل من أمتک من لاحساب علیهم من الباب الأیمن من أبواب الجنة. (بخاری: ۲/۶۸۵، حدیث: ۴۵۲۶-۲/۶۴۳ حدیث ۴۲۹۱)

پھر کہا جائے گا اے محمد! اپنا سر اُٹھالو اور مانگو جو مانگوگے وہی دیا جائے گا، جو شفاعت کروگے قبول کی جائے گی، تو میں اپنا سر اُٹھا کر کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، اے میرے رب! میری امت، اے میرے رب! میری امت، تو کہا جائے گا کہ تم اپنی امت میں سے نیک لوگوں کو جن پر حساب نہیں ہے جنت کے دائیں طرف کے دروازوں سے داخل کرو۔ (**اللّٰهم ادخلنا معهم**)

شاعر کہتا ہے ؎

محبوب نہ غم کرنا سر حشر تو امت کا
محشر تو بہانہ ہے تیری شان دکھانے کا

خلاصہ: محبت کے ان چاروں اسباب میں یہ بات اچھی طرح کھل کر سامنے آگئی کہ اگر کوئی محبت کیے جانے کے لائق ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؛ لیکن بات صرف محبت کرنے کی نہیں؛ بلکہ کمالِ ایمان کا مدار ہی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔

اسی وجہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "**لأنت أحب إلي من کل شيء إلا نفسي**" کہ میرے نزدیک میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب وعزیز ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:”لا والذي نفسي بيده حتى أكون أحب إليک من نفسک فقال له عمر فإنه الآن والله، لأنت أحب إلي من نفسي فقال النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم الآن ياعمر. (بخاری:۹۸۱/۲، حدیث:۶۳۷۸، فتح الباری:۶۶۳۲) یعنی اے عمرؓ! ابھی تمہارا ایمان کامل ومکمل نہیں ہے، پھر قسم کھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (ترجمہ حدیث) اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارا ایمان جب ہی مکمل ہوسکتا ہے جب میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہوجاؤں گا تو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایاء یارسول اللہ! اب اللہ کی قسم آپ میرے نزدیک میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرؓ! اب تمہارا ایمان کامل ہوا ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں ایک روایت ہے، روایت ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله صلّى اللّٰه عليه وسلم قال والذي نفسي بيده لايؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعى.

(بخاری:۱/حدیث ۷، مسلم شریف:۴۹/۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہوسکتا جب تک اس کے دل میں اس کے والد، اس کی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے میری محبت زیادہ نہ ہوجائے۔

اس حدیث اور اُوپر والی حدیث دونوں سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے ایمان کو کامل ومکمل بنانا چاہتا ہے، ہر وہ شخص جو اپنے ایمان کو درجۂ کمال تک پہنچانا چاہتا ہے، ہر وہ شخص جو اللہ کے نزدیک مؤمن کامل بن کر حاضر ہونا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری اور لازم ہے کہ وہ اپنے دل میں اپنی جان ومال، رشتہ دار وکنبہ، دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو بسائے۔ **اللّٰهم وفقنا به.** آمین

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهِ ❖ كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهِ

حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهِ ❖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَآلِهِ

اللّٰهم صلّ علٰى محمد وعلٰى آل محمد كما تحب وترضٰى عدد ما تحب وترضٰى

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

ایک سنگین مسئلہ

ازقلم: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، ترجمان وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اس وقت جن مسائل نے ملت کے رہنماؤں کو تشویش میں ڈال رکھا ہے، اُن میں سرفہرست بعض مسلمان لڑکیوں کی غیر مسلم لڑکوں کیساتھ نکاح کا مسئلہ ہے، یہ رشتہ اگرچہ شرعی اعتبار سے معتبر نہیں ہے؛ لیکن قانون کی نظر میں اس کا اعتبار ہے، یوں تو اس طرح کے واقعات ہمیشہ سے پیش آتے رہے ہیں: مسلمان مردوں کا غیر مسلم عورتوں سے اور مسلمان عورتوں کا غیر مسلم مَردوں سے نکاح، فلمی دنیا اور سیاست کی دنیا میں اِس طرح کے واقعات زیادہ پیش آتے رہے ہیں؛ لیکن اب اِس میں دوایسی باتیں شامل ہوگئی ہیں جن کی وجہ سے بجا طور پر زیادہ تشویش پائی جاتی ہے: ایک یہ کہ پہلے اس طرح کے واقعات اتفاقی طور پر پیش آیا کرتے تھے اور زیادہ تر شخصی پیار ومحبت کا نتیجہ ہوتے تھے؛ لیکن اب فرقہ پرست عناصر کی طرف سے منصوبہ بندی کے ساتھ اس کی کوشش کی جارہی ہے اور اس کا اعلان واظہار بھی کیا تا ہے؛ تاکہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ رُسوا کیا جائے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بہت سے مسلمان رہنما بھی اس کے عواقب پر غور کیے بغیر بہت بڑھا چڑھا کر مبالغہ کے ساتھ ایسے واقعات کے اعداد وشمار اپنی تقریروں اور تحریروں میں نقل کررہے ہیں؛ حالاں کہ اس بڑی تعداد میں ایسے واقعات کا کوئی معتبر ثبوت موجود نہیں ہے، میرج رجسٹریشن آفس میں ضرور اِس کا ریکارڈ ہوتا ہے؛ لیکن وہ اتنا نہیں ہے جو کہا جاتا ہے، اور اس میں دونوں طرح کے واقعات ہیں، جیسے مسلمان لڑکیوں کے غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ رشتۂ ازدواج کے رجسٹریشن ہورہے ہیں، اسی طرح؛ بلکہ اِس سے بڑھ کر غیر مسلم لڑکیوں کے بھی مسلمان لڑکوں کے ساتھ نکاح کے واقعات درج ہوتے ہیں۔

یہ سمجھنا بھی درست نہیں ہوگا کہ نعوذ باللہ مسلمان لڑکیوں کی بڑی تعداد مرتد ہورہی ہے اور مرتد ہونے کے بعد وہ اپنا جوڑا غیر مسلم سماج میں تلاش کررہی ہے، جیسا کہ نومسلم لڑکیاں مسلمان ہونے کے بعد مسلمان لڑکوں سے شادی کی خواہاں ہوتی ہیں؛ بلکہ زیادہ تر وہ صرف اپنی شادی کسی خاص سبب کے تحت غیر مسلم آشنا سے کرنا چاہتی ہیں، یا اس پر آمادہ ہوجاتی ہیں، عام طور پر وہ اپنا مذہب بدلنا نہیں چاہتیں، تعلیمی اداروں میں مغرب کا کلچر تیزی سے آرہا ہے کہ وقتی پیار ومحبت کو نکاح کی شکل دے دی جائے اور دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں؛

اِس لیے ایسے سارے واقعات ارتداد پر مبنی نہیں ہیں؛ بلکہ زیادہ تر بوالہوسی پر مبنی ہیں۔دوسرے یادرکھنا چاہیے کہ ایسے واقعات کا چرچا کرنے سے ملت میں شکست خوردگی کا احساس بڑھ جاتا ہے اور قوم اجتماعی طور پر مرعوبیت کا شکار ہوجاتی ہے، یہ احساسِ کمتری اس میں بزدلی اور سپراندازی کا مزاج پیدا کردیتی ہے؛ اِس لیے ایسی غیر مصدقہ باتوں کو زیادہ مشتہر کرنا بحیثیت مجموعی امت کے لیے نقصاندہ ہے اور جب بدقماش لوگ سنتے ہیں کہ اتنے سارے لگوں نے یہ راہ اپنالی ہے تو پھر اس کی بُرائی کا احساس بھی ان کے دل میں کم ہوجاتا ہے؛ اِس لیے اصلاحی کوششیں تو ضرور کرنی چاہئیں؛ لیکن اس کو ایسا موضوع نہیں بنادینا چاہیے کہ جو نوجوان اس قسم کی بات سوچ رہے ہوں، گناہ کے ارتکاب میں اُن کی ہمت بڑھ جائے کہ جب قوم کے اتنے سارے لوگ اس میں مبتلا ہیں تو اگر میں بھی اس حمام میں اُتر جاؤں تو کیا بُرا ہے؟

اسلام کا تصور یہ ہے کہ رشتۂ نکاح میں دونوں فریق کے درمیان زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی ہونی چاہیے، یہ ہم آہنگی رشتوں کو پائیدار بناتی ہے، جو لوگ وقتی طور پر کسی پر دل پھینک دیتے ہیں اور اس بنیاد پر ازدواجی رشتہ سے بندھتے ہیں، عموماً ان کے درمیان تعلق میں استحکام باقی نہیں رہتا، ہم آہنگی کے لیے ایک ضروری شرط فکر و عقیدہ کی موافقت بھی ہے، سوچئے کہ اگر ایک شخص اللہ کو ایک مانتا ہو اور اللہ کے سوا کسی کے سامنے اپنی پیشانی رکھنے کو سب سے بڑا جرم تصور کرتا ہو، اس کی اس شخص کے ساتھ ۲۴؍ گھنٹے کی زندگی میں کیسے موافقت ہوسکتی ہے، جو سینکڑوں مخلوقات کا پجاری ہو، جب دونوں کے مذہبی تہوار آئیں گے تو اگر وہ اپنے نظریہ میں سنجیدہ اور سچا ہو تو کیا ان کے درمیان نزاع پیدا نہیں ہوگا؟ جب اولاد کی تعلیم و تربیت اور ان کی مذہبی وابستگی کا مسئلہ آئے گا تو کیا آپس میں کھینچ تان کی نوبت نہیں آئے گی؟ یقیناً آئے گی؛ اِسی لیے اسلام میں جو چیزیں نکاح میں رکاوٹ مانی گئی ہیں، جن کو فقہ کی اصطلاح میں ''موانع نکاح'' کہا جاتا ہے، اُن میں ایک اختلافِ دین بھی ہے۔

اگر گہرائی کے ساتھ غور کیا جائے تو غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ شادی کے واقعات کے بظاہر چار بنیادی اسباب ہیں۔ اوّل: شادی کی فضول خرچیاں، دوسرے: مسلمان لڑکوں کی تعلیمی پسماندگی، تیسرے: مخلوط تعلیم، چوتھے: مخلوط ماحول کی ملازمت۔ شادی میں فضول خرچی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ اب عام لوگوں کی شادیاں پُرانے نوابوں اور راجاؤں کی شادیوں میں ہونے والے تزک و احتشام کو بھی مات کررہی ہیں، دولت مند طبقوں نے اس کو اپنی مالی فراوانی کے مظاہرہ کا ذریعہ بنالیا ہے، درمیانی طبقہ اس کی وجہ سے بعض اوقات در و دیوار تک بیچنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور کمزور طبقہ اگر دین سے بے بہرہ ہو تو چاہتا ہے کہ کسی طرح اپنے جگر گوشہ کے بوجھ سے نجات پاجائے، خواہ وہ کسی مسلمان کے گھر میں جائے یا غیر مسلم کے، جب تک معاشرہ کے دولت مند لوگ سادگی

کو اختیار نہ کریں گے، اس صورتِ حال میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ جیسے قدرتی آفات کے مواقع پر مدد اور بچاؤ کی مہم شروع کی جاتی ہے، اِسی طرح نکاح میں سادگی پیدا کرنے کے لیے علماء ومشائخ، سماجی وسیاسی رہنما، صحافی اور اہلِ علم ودانش، مذہبی تنظیموں اور جماعتوں کے کارکنان ایک مہم چلائیں اور گھر گھر دستک دے کر انھیں سادہ طریقہ پر تقریبِ نکاح انجام دینے کی دعوت دیں۔

تعلیمی صورتِ حال یہ ہے کہ لڑکیاں تعلیم میں آگے بڑھتی جاتی ہیں اور لگتا ہے کہ لڑکوں نے پیچھے کی طرف اپنا سفر شروع کر رکھا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو ان کے جوڑ کے لڑکے میسر نہیں ہوتے، موجودہ حالات میں لڑکیوں کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تعلیم کو ترک کردیں، بالخصوص ان حالات میں کہ زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین کے لیے ۵۰/فیصد حصہ داری کی کوشش کی جارہی ہے، ان حالات میں اگر مسلمان لڑکیاں تعلیم ترک کردیں تو ۵۰/سیٹیں بغیر کسی جدوجہد کے دوسروں کے ہاتھ میں چلی جائیں گی، اور پھر حصولِ تعلیم میں جو مسابقت جاری ہے، خاص کر لڑکیوں کو جو سہولت دی جارہی ہے اس کے بعد اس سلسلہ میں آپ کی نصیحت نتیجہ خیز بھی نہیں ہوسکتی؛ اس لیے لڑکوں میں یہ مزاج پیدا کرنا ہوگا کہ وہ تعلیمی جدوجہد میں اپنے قدم آگے بڑھائیں، اگر ہر مسلمان گھر میں یہ فکر جاگ جائے تو اس کی نوبت نہیں آئے گی کہ تعلیم یافتہ نوجوان لڑکیوں کو ان کے جوڑ کا رشتہ نہیں مل پائے، دوسری طرف تعلیم یافتہ لڑکیوں کی ذہنی اور فکری تربیت کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اصل وجہِ افتخار اس کا صاحبِ ایمان ہونا ہے، نہ کہ اس کا زیادہ تعلیم یافتہ اور اُونچے ذریعۂ معاش کا حامل ہونا؛ کیوں کہ تعلیم اور دولت کی کوئی نہایت نہیں، ایمان اس سے بھی قیمتی جوہر ہے، کسی مسلمان لڑکی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عار کی بات نہیں ہوسکتی کہ اس نے ایمان سے محروم شخص کو اپنا رفیقِ زندگی بنا رکھا ہو۔

ان واقعات کا تیسرا سبب ''مخلوط تعلیم'' ہے، لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط نہ صرف اخلاقی اعتبار سے نقصان دہ ہے؛ بلکہ تدریسی نفسیات کے اعتبار سے بھی مضر ہے؛ مگر افسوس کہ مسلمانوں کے زیر انتظام جو درسگاہیں قائم ہیں اُن میں بھی بڑے فخر کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ یہاں ''کوایجوکیشن'' (مخلوط تعلیم) ہے، مخلوط تعلیم کا یہ نظام نہ صرف مسلمانوں کو؛ بلکہ پورے ہندوستانی سماج کو غیر معمولی اخلاقی نقصان پہنچا رہا ہے؛ اِس لیے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے کم سے کم جونیئر کالج کی سطح تک زیادہ سے زیادہ الگ الگ درسگاہیں قائم کریں اور پیشہ وارانہ تعلیم کے کالجوں میں اگر جداگانہ درسگاہوں کا قیام دشوار ہو تو کم سے کم کلاس روم میں ایسی عارضی دیواریں رکھی جائیں جو لڑکوں اور لڑکیوں کی نشست گاہوں کو الگ رکھتی ہوں؛ نیز مسلم علاقوں میں گورنمنٹ سے گرلس اسکول اور گرلس کالج قائم کرانے کی کوشش کی جائیں، اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت ملک کے

اکثر چھوٹے بڑے شہروں میں مسلمان تعلیمی ادارے قائم کررہے ہیں، اگر تمام مسلمان طے کرلیں کہ وہ پرائمری اسکول کی سطح سے اُوپر لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ درس گاہوں کا نظم کریں گے تو اندازہ ہے کہ ۵۰؍فیصد مسلمان طلبہ وطالبات ان شاء اللہ مخلوط تعلیم کی بُرائیوں سے بچ جائیں گے۔

ایسے ناخوش گوار واقعہ کا چوتھا سبب مسلمان لڑکیوں کا مخلوط ماحول میں بالخصوص کال سینٹروں میں ملازمت کرنا ہے، جو لڑکے اور لڑکیاں کال سینٹروں میں ملازمت کرتے ہیں، اکثر وہ رات کے وقت ایک ہی ٹیکسی میں سفر کرکے اپنے دفتر پہنچتے ہیں، ان کی رات ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں گذرتی ہے، آپس میں مستقل طور پر گفتگو کی اور ساتھ کھانے پینے کی نوبت آتی ہے، اس طرح جوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک ساتھ مل کر کام کرنا آگ اور پٹرول کو ایک جگہ جمع کرنا ہے؛ اِس لیے ماں باپ اور گارجین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معاملہ میں پوری احتیاط سے کام لیں، لڑکیوں کو ایسی ملازمت کی اجازت نہیں دیں اور اپنے بچوں کی تربیت کریں۔

گو ایسے ناخوشگوار حالات کے لیے اور بھی اسباب ہیں؛ لیکن وہ اِکّا دُکّا واقعات کا سبب بنتے ہیں، یہ چار اسباب زیادہ اہم ہیں، اور ضروری ہے کہ مسلمان اس پر توجہ دیں اور اُمت کے اربابِ حل وعقد پوری سنجیدگی کے ساتھ اس ناگفتہ صورتِ حال پر غور کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آج کی غفلت کل کے سیلاب کا پیش خیمہ بن جائے اور پھر اس پر بند باندھنا ممکن نہ رہے!!

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ:

''اتفاق'' نہ کہیں

ازقلم: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اتفاق سے کار کو حادثہ پیش آ گیا''، ''اتفاقاً میری فلاں صاحب سے ملاقات ہوگئی''، ''اتفاق کہہ لیجئے کہ ہم دونوں ایک ہی وقت یہاں پہونچے'' یہ اور اِس طرح کے بہت سے جملے عام گفتگو میں، تحریر وتقریر، مجلسوں میں، دوستوں کی بزم میں ہم لوگ بے تکلف استعمال کرتے ہیں، شاید ہی کبھی ہم نے سوچا کہ ہم اپنی گفتگو میں ''اتفاق'' کا لفظ جو بکثرت استعمال کرتے ہیں یہ دینی لحاظ سے درست نہیں ہے۔

عربی میں ''اتفاق'' کا لفظ کسی بات پر ایک رائے ہونے کو کہتے ہیں؛ چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ: "اتفقوا علی......" تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ فلاں مسئلے پر علماء وائمہ ایک رائے ہیں، اُردو میں بھی جب اتحاد واتفاق کہا جاتا ہے تو یہی عربی والا ''اتفاق'' مراد لیا جاتا ہے؛ لیکن اب عام طور پر یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جس کی مثالیں اوپر ذکر کی گئی ہیں، یعنی اچانک، خود بخود کسی چیز کا پیش آنا۔

ہم اہلِ ایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ پاک کے اشارے اور حکم پر ہوتا ہے۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، آنا جانا، مرنا مارنا، مصیبت راحت، رحمت زحمت، پیدائش موت، حادثہ صدمہ، خوشی غم، آسانی پریشانی، تنگدستی فراوانی، ہر ایک چیز ارادۂ الٰہی کا اظہار ہے، کائنات کا کوئی ذرّہ، بارش کا کوئی قطرہ، درخت کا کوئی پتہ، پہاڑ کا کوئی ٹکڑا، سمندر کا کوئی چھینٹا، آسمان کا کوئی تارہ، کائنات کا کوئی سیارہ، اس وقت تک حرکت میں نہیں آتا جب تک کہ پاک پروردگار کا حکم نہ ہو، قرآنِ کریم میں بار بار اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۱) ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (سورۂ بروج، آیت:۱۶) ''اللہ کر ڈالنے والا ہے جو ارادہ کرے''۔

(۲) ﴿اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ﴾ (سورۂ انبیاء، آیت:۱۰۴) ''ہم ہی کرنے والے ہیں''۔

(۳) ﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ﴾ (سورہ مومن، آیت۱۲) ''حکم تو اللہ ہی کا ہے جو بلند ہے بڑا ہے''۔

جب سب کچھ پروردگارِ عالم کے اشارے پر ہو رہا ہے تو پھر یہ کہنا کہ ''اتفاق سے یہ ہوا'' کسی طرح بھی درست نہیں ہے؛ بلکہ اس حقیقت سے ٹکرانے والا ہے یہ جملہ جو قرآن پاک کی آیات میں بیان کی گئی ہے، میرے مرشد گرامی حضرت اقدس مولانا محمد ولی رحمانی مدظلہٗ العالی نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا (اور اوپر جو کچھ لکھا

گیا وہ بھی حضرت محترم ہی کی صدائے دردمندانہ ہے)''اتفاق'' اصلاً اور نسلاً دہریہ لفظ ہے، اتفاق کوئی چیز نہیں ہے، اصل تو اللہ کی مرضی، ان کا ارادہ، ان کا حکم، ان کا اشارہ ہے، ہم لوگ بے خیالی اور ناسمجھی میں اس لفظ کا بکثرت استعمال کرتے ہیں اور اس کا احساس تک نہیں کہ یہ لفظ کتنا خطرناک ہے، اور کیسی بڑی حقیقت کو چھپانے والا ہے۔ایک دن حضرت اقدس کی مجلس میں حاضر تھا، ایک بڑے عالمِ دین وخطیب نے دورانِ گفتگو اسی لفظ کا استعمال کیا، تو حضرت اقدس نے سختی سے ٹوکا اور ارشاد فرمایا:''میں نے آپ کو کئی بار متوجہ کیا ہے کہ یہ لفظ استعمال نہ کیا کیجیے؛ اس لیے کہ اس کا سِرا دہریوں سے جُڑا ہوا ہے، پتہ نہیں کہاں سے یہ لفظ ہمارے درمیان رائج ہو گیا''، پھر قدرے مسکرا کر ارشاد فرمایا: یہ اینٹی خدا ہے، یعنی خدا تعالیٰ کا مخالف ہے۔'' اسی سلسلۂ گفتگو میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ: میں اپنی تحریر وتقریر میں اس لفظ کا استعمال نہیں کرتا۔

ناچیز راقم الحروف نے غور کیا تو یہ محسوس ہوا کہ اس لفظ''اتفاق'' کا استعمال بہت عام ہے، اور تحریر وتقریر میں، عام گفتگو میں عالم وعامی سب ہی اس کا استعمال کرتے ہیں؛ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ چند سطریں لکھ کر توجہ دلائی جائے کہ اس لفظ کے اوپر لکھے گئے معنی میں استعمال سے بچا جائے اور اس کی جگہ ایسا متبادل لفظ لایا جائے جس سے یقین میں اضافہ ہو اور ایمان میں تازگی آئے مثلاً:

غلط	صحیح
(۱) اتفاقاً کار اُلٹ گئی اور سخت حادثہ پیش آیا۔	اللہ کی مرضی کہ کار الٹ گئی اور سخت حادثہ پیش آیا۔
(۲) اتفاق سے آپ مل گئے۔	اللہ کا فضل ہوا کہ بے وہم وگمان آپ سے ملاقات ہو گئی
(۳) اتفاق کہہ لیجیے کہ آج ہی ان کا فون آیا۔	اللہ کی مرضی کہ ان سے فون پر بات ہو گئی۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

باقی رہنے والے اعمال

ازقلم: حضرت مولانا مفتی سیّد محمد عفان صاحب منصور پوری (صدرالمدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)

مسلمان کی نگاہ میں دنیا کی زندگی حقیقی زندگی نہ ہونی چاہیے؛ بلکہ آخرت کی زندگی کو حقیقی دائمی اور ابدی زندگی تصور کرنا چاہیے، یہی سکھایا ہے قرآن نے اور یہی تعلیم دی ہے آقائے نامدار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؛ اسی لیے کہا گیا ہے: "اَلدُّنیا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ" دنیا کو تو آخرت کے لیے کے لیے کھیتی سمجھو، یہاں پر بوائی اور سینچائی ہو رہی ہے، بیج ڈالے جا رہے ہیں اور پودے لگائے جا رہے ہیں، اس کے بعد پھلوں کو حاصل کرنے اور اچھے نتائج کا مشاہدہ کرنے کا زمانہ، حقیقت میں وہ ہوگا جو اس دنیا سے جانے کے بعد میسر ہوگا، جس مسلمان نے آخرت کی زندگی کو پیشِ نظر رکھ کر دنیا کی زندگی گزاری، تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کو عزت و رفعت و کامیابی عطا فرمائیں گے اور آخرت میں تو اس کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے، اس سلسلہ میں بہت سے ایسے اعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں، جن کا ثواب انسان کو برابر حاصل ہوتا رہتا ہے، چاہے وہ اس دنیا سے رخصت بھی ہو جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: "سبع یوجر فیھن من بعده" سات کام ایسے ہیں کہ انسان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اس کو اجر و ثواب دیا جاتا رہے گا۔

تعمیر مسجد

(۱) مَنْ بَنٰى مَسْجِداً فَلَهُ أَجْرُهُ مَادَامَ أَحَدٌ يُصَلِّيْ فِيْهِ" جس آدمی نے اللہ کے گھر کی تعمیر کی یا مسجد کی تعمیر میں اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لیا، تو اس کو اس وقت تک ثواب دیا جاتا رہے گا جب تک اللہ کا ایک بندہ بھی اس کو آباد رکھے گا، جب تک نماز مسجد میں پڑھی جاتی رہے گی اس کے لیے نیکی کا دروازہ برابر کھلا رہے گا، صدیاں گزر جائیں گی، مسجدوں کو بنے ہوئے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے خون پسینے کی کمائی کا کچھ حصہ اللہ کے گھر کی تعمیر میں لگ گیا، یہ ایسا بیلنس ہے کہ جس میں کبھی کمی نہیں آئے گی؛ بلکہ اللہ کی طرف سے کتنا اضافہ اور بڑھوتری ہوگی ہم سوچ بھی نہیں سکتے، اللہ جتنا چاہتے ہیں اجر و ثواب میں اضافہ فرماتے ہیں؟ اس لیے خیر کے کاموں میں جب بھی حصہ لینے کا مواقع ملے، خوش دلی کے ساتھ سعادت سمجھتے ہوئے دل کھول کر حصہ لینا چاہیے، شیطان اس طرح کے موقع پر روکنے

کی کوشش کرتا ہے، مال کی محبت میں مبتلا ہو کر انسان اپنی جیب کو ہلکا نہیں کرنا چاہتا، یہ امتحان اور آزمائش کا مقام ہوتا ہے، ایسے موقع پر انسان مال کی محبت کو دل سے کھرچ کر اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں لگائے گا، تو باری تعالیٰ توقع سے کہیں زیادہ اس کو نوازیں گے، اس کو اتنا انعام دیں گے اور ایسی برکت عطا فرمائیں گے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

نہر کی کھدائی

(۲)**من أجرى نهرا فما دام يجرى فيها الماء و يشرب منه الناس كان له أجره.** جو آدمی نہر کی کھدائی کرائے گا، یا نہر کی کھدائی میں حصہ دار بنے گا تو اللہ کی طرف سے اس کو برابر اجر و ثواب ملتا رہے گا جب تک اس نہر میں پانی چلتا رہے گا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، پیاس بجھاتے رہیں گے، کھیتیوں کو اس سے سیراب کیا جاتا رہے گا، چرند و پرند جانور اور دیگر مخلوق اس سے پیاس بجھاتی رہیں گی۔

قرآن پاک کی طباعت

(۲)**من كتب مصحفا و أحسنه كان له أجره ما دام يقرأ فيه احد.** جو آدمی قرآنِ کریم لکھے گا، یا قرآنِ کریم چھپوائے گا، جب تک اس کے پڑھنے والے موجود رہیں گے برابر اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی، یہ انعام صرف قرآنِ کریم ہی کے سلسلے میں نہیں؛ بلکہ کوئی بھی دینی کتاب، جس میں قرآنِ کریم کے معانی و مفاہیم کو، دین کے عقائد و مسائل کو لکھا گیا ہو یا چھاپا گیا ہو، اگر کسی خوش نصیب انسان کے مال کا کوئی حصہ نیکی کے اس کام میں لگ جائے گا تو جب تک اس کتاب سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے گا، اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں بڑھتی چلی جائیں گے۔

درخت لگانا

(٤)**من غرس غرسا كان له أجره فيما أكل الناس منه و الطير.** جو آدمی کوئی پودا یا درخت لگائے گا، اس درخت پر کوئی پھول یا پھل آئے گا، تو جب تک لوگ اس درخت سے یا اس کے پھل و پھول سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، یہاں تک کہ پرندے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں، شہد کی مکھی بھی اس کے رس کو چوس کر شہد بناتی رہے گی اللہ اس پودا لگانے والے خوش نصیب انسان کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھواتے رہیں گے، ایک مرتبہ اللہ کی رضا کے لیے قدم اٹھالیا تو پھر صدیوں تک اس کا فائدہ وصول کرتے رہنا ہے۔

تعلیم و تعلم

(٥)**من علم علما كذلك.** جو آدمی کسی کو دین کی کوئی بات بتائے گا، قرآن کی کوئی آیت سکھلائے گا،

شریعت کا کوئی مسئلہ بتائے گا، کسی دینی راہ کی رہنمائی کردے گا، نماز کی دعوت دے گا، بُرائی سے رُکنے کی نصیحت کردے گا، تو جب تک آپ کی نصیحت سے دین پر عمل کرنے والے لوگ زندہ رہیں گے، آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی، زبان کو ہلکی سی حرکت دینی ہے، اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو لوگوں تک پہنچانا ہے، ہدایت دینا نہ دینا یہ اللہ کے اختیار میں ہے، انسان کے بس کی بات نہیں ہے، ہم نے اگر دوسروں تک دین کی بات کسی بھی طریقہ سے پہنچادی، سو میں سے ایک بھی اگر عمل کرنے والا ان میں سے مل گیا تو یہی ہماری نجات کا باعث بن جائے گا، ان شاء اللہ۔

اولادِ صالحہ

(٦)من ترک ولدا يستغفرله ويدعو له من بعده يعني إذا كان الولد صالحا وقد علمه الاب القرآن والعلم، فيكون أجره لوالده من غير أن ينقص من أجر ولده شيئ، فإذا كان الوالد لايعلمه القرآن ويعلمه طريق الفسق، يكون وزره على أبيه من غير أن ينقص من وزر ولده شيئ. (الدر المنضد ۱/۴۰٦)

جو انسان اپنے بعد ایسی اولاد چھوڑ کر جائے جو مرحوم کے لیے مغفرت اور طلبِ رحمت کی دعا کرنے والی ہو۔ یعنی جب اولاد نیک ہوگی اور باپ نے اس کو قرآن اور دین کا علم سکھایا ہوگا تو والد کو برابر اس کا اجر ملتا رہے گا اور بیٹے کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور اگر باپ اولاد کو قرآن پاک سکھانے کے بجائے فسق وفجور کے راستہ پر چلائے گا تو اس کا وبال بھی باپ پر ہوگا، اولاد کے بوجھ میں کمی کیے بغیر۔

اس جملے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا ہے کہ تم اپنے بچوں اور اپنے گھر والوں کو ایسی تربیت دے کر جاؤ کہ وہ تمہارے مرنے کے بعد بھی تمہارے کام آئیں، کم سے کم اللہ کا کلام پڑھنے کا سلیقہ تو ان کو سکھادو، نماز کی عادت تو ان کو ڈلوادو، دین کا مزاج تو ان کا بنادو، اس کا اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ وہ مرنے کے بعد تمہیں فراموش نہیں کریں گے، مسجد میں جائیں گے، دعا کریں گے تو اس میں تمہارا حصہ بھی ہوگا، قرآن کی تلاوت کریں گے ہر حرف پر دس نیکیاں ملیں گے تو اللہ ان نیکیوں کی وجہ سے تمہارے نامۂ اعمال میں بھی حسنات کا اضافہ فرمائیں گے؛ لیکن یہ اسی وقت ہوگا، جب ہم اپنی اولاد کی اس انداز میں تربیت کر کے جائیں اور جب ہم اپنی اولاد کی تربیت کریں گے تو ہماری اولاد اپنی اولاد کی تربیت کرے گی، اس طرح یہ مزاج نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا جائے گا اور نسلوں کی صالحیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ

مرحومین کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ فرماتے رہیں گے؛ اس لیے ہر مسلمان کو دنیا سے زیادہ اپنی آخرت کی فکر رکھنی چاہیے، دنیا کی فکر بھی ہو، دنیا میں عافیت وسکون حاصل کرنے کے لیے جتن بھی ہوں؛ لیکن صرف دنیا ہی دنیا پیشِ نظر ہو، آخرت کی کامیابی کی فکر نہ ہو، تو مسلم وغیر مسلم میں کیا فرق رہ جائے گا، ایک ایمان والے اور غیر ایمان والے میں کیا فرق رہ جائے گا؟ غیر ایمان والے کے لیے جو کچھ ہے وہ دنیا اور مومن کے لیے سب کچھ دنیا نہیں ہے؛ بلکہ دنیا کے بعد کا عالم ہے، وہ عالم ایسا ہے جو ابدی ہے، دائمی ہے، اس میں کامیابی کی فکر جب تک مسلمان کے اندر نہیں ہوگی اس وقت تک وہ سچا مسلمان کہے جانے کے لائق نہیں۔

خلاصہ

یہ جو سات چیزیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہیں، ان میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ ہمیں اپنی نسلوں کی دینی تربیت کی فکر کرنی چاہیے؛ کیونکہ اگر بچوں کی صحیح تربیت ہمارے گھر کے اندر ہوگئی اور اس تربیت کے انداز میں بچوں کو ہم نے پروان چڑھا دیا تو بقیہ جو چھ چیزیں ہیں وہ دین کی محبت کے نتیجہ میں تمہیں خود بہ خود جگہ حاصل کرلیں گی؛ کیونکہ اصل ہے مزاج کا دینی واسلامی بننا، جب تک دینی مزاج نہیں ہوگا، اُس وقت تک دین کے کاموں کی عظمت دل کے اندر نہیں ہوگی، عظمت کے پیدا ہونے کے لیے مزاج کو دینی بنانا ضروری ہے، جب مزاج دینی ہوگا، جذبات اسلامی ہوں گے تو خود بہ خود دین کے تقاضوں پر انسان عمل کرنے والا ہوگا۔ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو جو بے شمار انعامات عطا فرمائے ہیں اُن میں ایک عظیم الشان نعمت اولاد کی بھی ہے، اور اولاد ہی کے ذمہ والدین کے حقوق نہیں ہیں؛ بلکہ والدین کے ذمہ بھی اولاد کے حقوق ہیں، جیسے اولاد کی ذمہ داری اپنے ماں باپ کے حق کو ادا کرنے کی ہے، ایسے ہی ماں باپ کی ذمہ داری اپنی اولاد کے حقوق کو بھی ادا کرنے کی ہے، اور کیا حقوق ہیں ماں باپ کے ذمہ اولاد کے؟ اُن میں سب سے اہم ادب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: "**ما نحل والد ولده من نحل أفضل من أدب حسن**" ایک ماں اور باپ سب سے بہترین تحفہ جو اپنی اولاد کو دے سکتے ہیں وہ بہترین اسلامی آداب سے واقف کرانا ہے، اس سے اچھا تحفہ والدین کی طرف سے اولاد کے لیے دوسرا کچھ نہیں ہوگا، چاہے اولاد کے لیے والدین کچھ بھی کردیں، لیکن اگر ان کو اسلامی آداب نہیں سکھائے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے اولاد کا حق ادا نہیں کیا اور اگر انہوں نے اولاد کو اسلامی آداب سے واقف کرادیا تو چاہے کچھ اور انہوں نے نہ دیا ہو، تو اللہ کی نگاہ میں وہ حق ادا کرنے والے شمار کیے جائیں گے۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ:

آپ اپنے حاسد کو کبھی خوش نہیں کر سکتے

ازقلم: مفتی محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی، مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

انسان لاکھ جتن کرلے وہ اپنے حاسد کو خوش نہیں کرسکتا، دنیا کے ہر فرد کو خوش کرنا ممکن ہے؛ مگر حاسد کو خوش کرنا ناممکن ہے، اگر آپ حاسد کا جوتا بھی سیدھا کردیں، اس کے خورد ونوش کا بھی تمام ترنظم کردیں، اس کا لباس فراہم کردیں، اس کے لیے پانی مہیا کرادیں، اس کی خاطر بستر بچھادیں، اس کے گھر میں جھاڑو تک دے دیں، تب بھی آپ اسے راضی نہیں کرسکتے؛ اس لیے کہ اس کی عداوت کا اصل سبب آپ کا فضل وکمال، آپ کا علم وہنر، آپ کا مال وسرمایہ، آپ کا ادب وسلیقہ اور آپ کا عہدہ ومنصب ہے، جب تک یہ نعمتیں آپ سے چھن نہیں جاتیں، حاسد آپ سے کیسے صلح کرسکتا ہے اور کیوں کر راضی ہوسکتا ہے؟

حاسد کی نگاہ تو اس پر ہوتی ہے کہ آپ کے پاؤں لڑکھڑاتے کب ہیں؟ اسے انتظار ہوتا ہے کہ آپ پستی میں گرتے کب ہیں؟ اس کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ آپ رسوا کب ہوتے ہیں؟ آپ کی بیماری کا دن آپ کے حاسد کا سب سے اچھا دن ہوتا ہے، آپ کے فاقے اور محتاجی کی رات حاسد کی سب سے بہتر رات ہوتی ہے، اور آپ کے نقصان کے لمحات حاسد کے لیے سب سے زیادہ مسرت آمیز لمحات ہوتے ہیں اور اس کا سب سے پسندیدہ اور خوش کن وقت وہ ہوتا ہے جب وہ آپ کے چہرے پر فکر کی لکیریں دیکھتا ہے، آپ غمزدہ ہوتے ہیں، اور کوئی بے سکونی آپ کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔

اس کے برعکس جب آپ کو دولت ملتی ہے تو یہ آپ کے حاسد کے لیے سامانِ موت ہوتا ہے، آپ اوج ترقی پر پہنچتے ہیں تو یہ اس کے لیے حادثہ ہوتا ہے، آپ عزت ونیک نامی حاصل کرتے ہیں تو یہ اس کے لیے کسی جاں کاہ سانحے سے کم نہیں ہوتا، آپ کی ہنسی حاسد کے لیے باعث گریہ ہوتی ہے، آپ کی عید اس کے لیے ماتم ہوتی ہے، آپ کی کامیابی اس کی ناکامی ہوتی ہے، آپ کی ہر خوبی اس کے ذہن سے فراموش ہوجاتی ہے، اسے صرف آپ کی کمیاں اور خامیاں ہی یاد رہتی ہیں، آپ کے ہر کمال سے وہ بے پرواہ رہتا ہے، اسے پرواصرف آپ کی کوتاہیوں کی ہوتی ہے، آپ کا چھوٹا سا واقعہ بھی اس کی نگاہ میں پہاڑ کے برابر ہوتا ہے، اور بڑی سے بڑی خوبی اس کے نزدیک ذرۂ بے مقدار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

آپ عرب کے سب سے بڑی فصیح ''سحبان'' سے بھی فصاحت میں آگے بڑھ جائیں، دنیا کے سب سے بڑے سخی ''حاتم'' سے بھی زیادہ بڑے سخی ہوجائیں اور ''امام شافعی'' سے بھی زیادہ عقل مند ہوجائیں، آپ کا حاسد آپ کو سب

سے بڑھ کر گویائی سے عاجز، سب سے بڑا بخیل اور سب سے زیادہ کم عقل انسان ہی قرار دے گا، اس کے سامنے جو بھی آپ کی ستائش کرے گا، جھوٹا قرار پائے گا، جو بھی آپ کی تعریف کرے گا منافق ٹھہرے گا، جو بھی آپ کا دفاع کرے گا مفاد پرست اور حقیر سمجھا جائے گا، ہاں جو آپ کو گالی بکے وہ سچا ہے، جو آپ کا دشمن ہو وہ محبوب ہے، جو آپ سے بغض رکھے وہ مقرب ہے، جو آپ سے نفرت اور قطع تعلق رکھے اس کی ہر طرح سے مدد ہوگی، آپ کی آنکھوں کو جو سفید نظر آرہا ہے آپ کے حاسد کو وہ سیاہ نظر آتا ہے، آپ جسے دن سمجھتے ہوں، حاسد اسے رات بتاتا ہے۔

خبردار! اپنے کسی معاملے میں اپنے حاسد کو حکم اور فیصل مت بنائیے گا، ورنہ کسی ثبوت، گواہ، دلیل اور قسم کے بغیر اس کا فیصلہ صرف اور صرف آپ کے خلاف ہی ہوگا، کبھی غلطی سے بھی اپنا کوئی راز اپنے حاسد کو مت بتا دیجیے گا؛ ورنہ اس کا ڈھنڈورا پیٹ دیا جائے گا، اور آپ کی جو کمی اس کے ہاتھ آجائے گی ہر موقعے پر اُس کا حوالہ دے کر وہ آپ کو طعنہ دے گا اور رُسوا کر کے ہی چھوڑے گا، اس کے شر سے بچنے کی تدبیر آپ کے پاس صرف یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، آپ اس سے الگ تھلگ رہیں، اس کے سائے سے بھی بھاگیں، اس کی نگاہوں سے بچتے رہیں، اس کے سامنے آنے سے بچیں اور اس سے فاصلہ رکھیں۔

آپ خود ہی بتائیے! کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اگر آپ صاحب کمال نہ ہوتے، اگر آپ باعزت نہ ہوتے، اگر آپ اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب نہ ہوتے تو آپ کا حاسد بالکل پریشان نہ ہوتا، آپ کے کمال نے ہی تو اسے بیمار بنا دیا ہے، آپ کی خوبیاں ہی اسے بے خواب رکھتی ہیں، آپ کی نعمت و دولت ہی اس کی جلن، کڑھن اور پریشانیوں کا باعث بنی ہوئی ہے، وہ اگرچہ ظالم و ستم گر ہے، مگر اپنے ہاتھوں اپنے اوپر بھی ظلم کر رہا ہے، نفسیاتی الجھنوں نے اسے زچ کر رکھا ہے، ہمہ وقت بے سکونی اور ٹینشن کی کیفیات اس کے وجود کا احاطہ کیے رہتی ہیں، اس لحاظ سے وہ خود مظلوم جیسا ہے؛ اس لیے حاسد کو اس کے حال پر چھوڑ دیجیے، آپ اسے چھیڑنے اور انتقام لینے کے بجائے اس کے حق میں دعا کیجیے اور اس کی حرکتوں سے اعراض اور چشم پوشی کیجیے، جان کر انجان بن جانا بھی کارگر تدبیر ہے، شاعر کہتا ہے ؎

لَيْسَ الْغَبِيُّ بِسَيِّدٍ فِيْ قَوْمِهِ
لٰكِنَّ سَيِّدَ قَوْمِهِ الْمُتَغَابِيْ

”ناسمجھ انسان اپنی قوم کا سردار نہیں ہوتا؛ بلکہ قوم کا سردار وہ ہوتا ہے جو اپنے مخالفوں کو جان کر بھی انجان بن جائے (اعراض اور چشم پوشی کرے)“۔

(یہ مضمون ڈاکٹر عائض القرنی کے مضمون ”لَنْ تُرْضِيَ الْحَاسِدَ“ کی کچھ ترمیم کے ساتھ ملخص ترجمانی ہے)

تذکرۂ اولیاء

ہمارے مخدوم جوارِ رحمت میں

حضرت سعید الملّت مفتی سعید احمد صاحب قدس سرہٗ

خلیفہ حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی قدس سرہٗ

از: مولانا محمد اویس صاحب رشادی، استاذ دار العلوم شاہ ولی اللہ بنگلور

اپنے متوسلین کی خبر گیری:

حضرت سے جو مل لیتا آپ کا ہوئے بغیر نہیں رہتا، بشوق ورغبت مجلس میں حاضر ہوتا، اگلی مجلس اور زیارت کے انتظار میں اس کا دن اور ہفتہ کٹتا، آپ بھی اس مرید کی برابر خبر رکھتے، مسلسل غیر حاضر ہونے پر اس کے بارے میں دریافت فرماتے اور چند بار کی غیر حاضری کے بعد حاضر ہوتا تو اس کی خیریت پوچھتے، مجلس کیا ہوتی ہو بہو مجلس نبوی کا نمونہ ہوتا، کوئی کتنی بھی پریشانی لے کر آتا اور اپنا دُکھ درد سناتا سب سننے کے بعد ایک جملہ فرماتے ''اچھا میں دعا کرتا ہوں''، بس اتنی سی بات پر اس کا دل ٹھنڈا ہونے لگتا اور غم کا مارا خوشی خوشی واپس لوٹنے لگتا اور اس کی ساری پریشانیاں کافور ہو جاتیں۔ بار بار کی ملاقات میں بھی اس سے استفسار فرماتے رہتے کہ کیا حال ہے، ہر وقت اپنوں کے غم میں غمزدہ رہتے اور دست بدعا بھی رہتے۔

یہ بھی دیکھنے کو ملا ہے اور یہ محض ہمارے مخدوم کی توجہ اور خلوص کی برکت ہے کہ جو بھی اخلاص واحسان کے ساتھ حضرت سے منسلک ہوا آخر تک منسلک رہا، اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ باقی مخلص منتسبین حقیقی متعلقین کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ فرمائے، آمین۔

جاہ سے دُور:

ہمارے مخدوم کو جو ملا وہ واہب العطیات کی طرف سے ملا، اپنی ہستی کو مٹانے کے نتیجہ میں ملا، آپ نے نہ کسی عہدہ کو طلب فرمایا اور نہ ہی کسی منصب کے متمنی رہے، جلسوں سے گریز فرماتے، ناموری سے اپنے دامن کو بچاتے، شریعت کے ایک محدود دائرہ کے اِردگرد اپنے کو پابند رکھا، زمانہ کے فتنوں سے خود بچتے اور اپنوں کو بچنے

کی تاکید فرماتے، دل پر سے حبِ جاہ کا گزر تک نہیں ہوا ہے، نفسی کسر نفسی کے آپ بے مثال نمونہ تھے، گویا آپ ''مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ'' کی تشریح تھے۔

صبر کا پیکر:

﴿اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗ اَوَّابٌ﴾ (سورۂ ص)

''حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صبر کرنے والا پایا، وہ بہترین بندے تھے، واقعۃً وہ اللہ سے بڑی لولگائے ہوئے تھے''۔

علامہ طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ:

إنا وجدنا أيوب صابرا على البلاء، لايحمله البلاء على الخروج عن طاعة الله، والدخول في معصيته. (طبری)

''ہم نے ایوب کو بلاؤں پر صبر کرنے والا پایا، بلاؤں نے نہ انھیں طاعت سے نکلنے پر مجبور کیا اور نہ ہی گناہ کرنے پر مجبور کیا''۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی شان میں اللہ نے جو ارشاد فرمایا ہمارے مخدوم اس کے مصداق بھی تھے، اگرچہ سارے اعضاء آخری عمر تک صحیح سالم رہے **فللّٰه الحمد** ن کسی مہلک جان لیوا بیماری کا آپ پر کبھی حملہ نہیں ہوا، عام بیماریاں جو ہر کسی کے ساتھ لگی رہتی ہیں، اس کی تشخیص ہوتی تھی؛ مگر آپ کا بدن کسی وجہ سے کمزور رہتا تھا، وفات سے ڈیڑھ سال قبل سے پیر کمزور ہوتے چلے گئے، خود سے چلا نہیں جاتا تھا، اندر سے بے چین رہتے، اخیر عمر میں نقاہت کی وجہ سے بہت زیادہ مشقت برداشت فرماتے تھے، مزید برآں حضرت اقدس اپنوں کے ستائے ہوئے اور کچھ غیروں سے ڈسے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے آپ کو بہت کوفت ہوتی تھی؛ مگر اس پیکر صبر نے نہ زبان پر شکوہ لایا اور نہ لب ولہجہ سے اس کا کبھی اظہار کیا۔

تسلیم ورضا کا مجسم:

بلکہ اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی برضا رہ کر اپنے رب کے دربار میں پہنچ گیا، اسی کو تسلیم ورضا کہتے ہیں، بلاشبہ ہمارے مخدوم تسلیم ورضا کے مجسم تھے، اپنے متوسلین کی اسی انداز سے تربیت فرمائی، والد ماجد کی وفات کے بعد جب مسند نشین ہوئے کم تنخواہ پر گزارہ ہوتا تھا، اس وقت بھی اللہ ہی کے رہے، شریعت وسنت کو ملحوظ خاطر رکھا، جب مریدین اور متوسلین بڑھنے لگے، فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اس حال کو بھی واہب العطیات کی طرف سے

جان کران نعمتوں کی قدر کرنے لگے، مرض کی حالت میں صبر تھا، تو صحت کے زمانے میں شکر، اللہ نے جس حال میں رکھا اس حال پر راضی برضا رہ کر دنیا سے کوچ فرمایا، گویا بزبانِ حال یوں فرما گئے:

فراق و وصول چہ باشد رضاء دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائی

ترجمہ: جس کو تم فراق سمجھتے ہو جس کو وصال سمجھتے ہو دونوں برابر ہیں، اصل چیز اس کی رضامندی ہے، اللہ سے اللہ کے سوا کوئی اور چیز چاہنا افسوس کے قابل بات ہے۔

ہمارے مخدوم کو ہمیشہ اپنے رب کی خوشنودی پیشِ نظر رہی، اللہ ہم سب کو یہ مقام عطا کرے، آمین۔

سنت سے عشق:

وصول الی اللہ میں اتباعِ سنت بہت مؤثر ہے، حضرت مخدوم کی پوری زندگی اتباعِ سنت میں کٹی، سر پر عمامہ کا التزام، ہاتھ میں عصا، ہر حال میں نظریں نیچے کی طرف جھکی ہوئی، مسکراتا چہرہ، کم گویائی اور وقار و مسکنت آپ کی طبیعت کا حصہ تھا، دن بھر کی مصروفیات نمازوں کی امامت، اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے بہت پہلے سے تیاری، واردین وصادرین کے احوال سننا انھیں نصیحت کرنا، خطوط کے جوابات لکھنا، فتویٰ لکھ کر ڈاک سے روانہ کرنا، مدرسہ کا حساب وکتاب رکھنا اور ماہ کے ختم پر اساتذہ کے لیے تنخواہ کا انتظام کرنا، یہ ساری مصروفیات کے ساتھ آپ گھر والوں کے کام میں ان کا ساتھ دیتے، یہ ایسی سنت ہے، جس پر شاید ہی کوئی عمل کرتا ہوگا، ہمارے محدوم نے اس سنت کو بھی اپنے شب وروز کا حصہ بنائے رکھا اور اس حدیث کے مصداق بنے رہے؛ چنانچہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَحْيَا سُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِيْ فَلَهُ أَجْرُ شَهِيْدٍ. (بیہقی)

''جو فساد کے دَور میں میری سنت کو زندہ رکھے اس کے لیے شہید کا ثواب ہے''۔

سفر عمرہ کا شوق:

ہر مخلص مؤمن کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ زندگی میں کم از کم ایک بار حرمین کی زیارت ہوجائے، اللہ والے بار بار حاضر ہونے کی خواہش کرتے ہیں؛ تاکہ ایمان میں تازگی آئے اور روح کو سرور اور قلب کو نشاط ملے، اسی غرض سے ہمارے مخدوم سال میں ایک مرتبہ التزاماً حرمین کی حاضری دیتے، اس سفر میں بھی اپنے گھر کا لحاظ رکھتے؛ تاکہ وہ بھی اس دولت سے مشرف ہوں اور ان کی دل جوئی ہو۔

روزمرہ غذاؤں کا حصہ زم زم:

عن جابر وابن عباس قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلم ماء زمزم لما شرب له.

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال، قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلم خیر ما علیٰ وجه الأرض ماء زمزم، فيه طعام الطعم، وشفاء السقم. (أخرجه أحمد وابن ماجة والبيهقي)

زم زم سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور ہر ایک زم زم سے برکت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے؛ لیکن ہمارے مخدوم کو زم زم سے تعلق اور محبت عشق کے درجہ میں تھا، مال ومتاع سے زیادہ عزیز آپ کے نزدیک زم زم تھا، جس طرح لوگ غذا اور دوا کا استعمال بغیر چوک وبھول کے کرتے ہیں بعینہٖ آپ زم زم کا استعمال فرماتے تھے۔

مبشرات

ایک قابلِ رشک خواب:

اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت اور خوش خبری ہوتی ہے کہ وہ بندہ خوش ہو اور اس کا وہ خواب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے حسنِ سلوک اور اُمید آوری کا باعث اور شکر خداوندی میں اضافہ کا موجب بنے۔

عَنْ أَبِيْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِي قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ، وَهِيَ عَلٰى رَجُلِ طَائِرٍ مَا لَمْ يَتَحَدَّثْ بِهَا، فَإِذَا تَحَدَّثَ بِهَا سَقَطَتْ". قَالَ: وَأَحْسَبُهُ قَالَ: "وَلَايُحَدِّثْ بِهَا إِلَّا لَبِيْبًا أَوْ حَبِيْبًا". (سنن الترمذی: ۲۲۷۸)

اس لیے اچھے خواب کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا، بالخصوص وہ خواب کسی اللہ والے سے متعلق ہو، ایسا ہی ایک خواب ہمارے مخدوم کے تعلق سے دیکھا گیا، اللہ کرے ویسا ہی ہو جیسا دیکھا گیا ہے۔ اس خواب کو دیکھنے والی راقم السطور کی دختر حضرت اقدس کی نواسی عزیزہ نضار فاطمہ سلّمہا ہیں، جو اپنی عمر کی بارہویں سال میں پہنچ چکی ہیں، تدفین کے اگلے روز بعد نمازِ فجر سب گھر والے جمع ہوئے، مخدوم کا تذکرہ چھڑ گیا، تذکرہ کے بعد بچی کو خیال آیا نانا کو ایصالِ ثواب کیا جائے، پورے جذبہ اور فرطِ محبت کے ساتھ پڑھ کر بخش دیا وہ فرماتی ہیں کہ:

"نیند لگی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک قبر ہے جس میں کھجور و زم زم رکھا ہوا ہے، نانا اس میں سے تناول فرماتے ہیں، فارغ ہو کر جوتا پہنتے ہیں، لباس سفید اور جوتا عمدہ اس سے بہتر جوتا نہیں ہوسکتا، ایک دروازہ قبر میں کھلتا ہے اور دروازہ بھی اس قدر عمدہ اس کی خوبصورتی کو بھی بیان نہیں کیا جاسکتا، مسکراتے ہوئے نانا اندر چلے جاتے ہیں"۔

خواب سننے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اللہ نے آپ کے صبر واستقامت اور استقلال کے بدلے ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ (بلا شبہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب بدلہ دیا جائے گا) کے مطابق ادنیٰ جھلک دکھا کر ہمیں تسلی دی ہے، اللہ ہمارے مخدوم کے درجات کو ہماری توقع سے زیادہ اپنی شان کے مطابق بدلہ عطا کرے، آمین۔

ہمارے مخدوم کے ایک مخلص اور عاشق مرید جناب ندیم احمد صاحب آمبوری زید فضلہٗ نے ایک عمدہ اطمینان بخش خواب دیکھا اس کو بھی یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں، انہوں نے یہ خواب حضرت کے چھوٹے صاحبزادہ مفتی ابرار احمد صاحب زید مجدہٗ کو تحریراً لکھ کر بھیجا، وہ اس طرح ہے:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج صبح سے کچھ طبیعت کی ناسازی کے سبب میں کمپنی سے 11.30 بجے اجازت لے کر آ گیا، دوپہر کو نمازِ ظہر کے بعد قیلولہ کے لیے سو گیا، الحمدللہ ثم الحمد للہ ہمارے پیارے محبوب پیرومرشد حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوئی، کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نیا لباس پہن کر ہشاش بشاش ایک دم نورانی چہرہ کے ساتھ جلوہ افروز کھڑے ہوئے ہیں، میں نے قریب جا کر سلام کیا، تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا، حسبِ معمول ''خیریت ہے ندیم صاحب'' کر کے پوچھا، اس کے بعد فرمایا کہ اب بھی یہ کیسی مایوسی آپ کے چہرے پر، دیکھو میں ایک دم سے تندرست ہو گیا ہوں، ہاتھ اور پاؤں کو مور سے حرکت کرتے ہیں اور فرما رہے ہیں، الحمد للہ اللہ نے مجھے نیا جسم تندرستی کے ساتھ عطا فرمایا ہے، نیا گوشت نئی ہڈیوں کے ساتھ، نئی رنگ وریشے میں نیا خون اب قیامت تک کوئی فکر نہیں، اب میں آپ لوگوں کی خدمت گھنٹوں بیٹھ کر کر سکتا ہوں، اللہ نے مجھے نئی طاقت اور توانائی دی ہے؛ مگر اب آپ راہِ سلوک کسی کی رہبری میں طے کرو چاہے تو حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم سے یا حضرت معین الدین صاحب سے یا حضرت رشید احمد سعدی صاحب سے بس اتنے میں میری آنکھ کھل گئی میں بیدار ہو گیا۔

جنازہ نے فیصلہ کر دیا:

اتنی ساری معروضات سنانے کا مقصد محض اپنے جذبات کا اظہار ہے، عاجز یہ نہیں کہتا کہ ہمارے مخدوم سب کی نورِ نظر تھے، کوئی ان کا مخالف اور دشمن نہیں تھا، بقول علامہ تفتازانی:

بأن مستحسن الطبائع بأسرها ومقبول الاسماع عن آخرها أمر لایسعه مقدرة البشر وإنما هو شأن خالق القوی والقدر. (مختصر المعانی)

ترجمہ: مجھے معلوم تھا ایسا کام کرنا جو تمام طبیعتوں کو پسندیدہ ہو اور تمام کانوں کا مقبول ہو ایسا امر ہے جو انسان کے بس میں نہیں یہ تو قوتوں اور قدرتوں کے خالق ہی کی شان ہے۔

دوسری بات مخالف اور دشمن کا نہ ہونا ہی ایک طرح سے اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں یہ مقبولیت استدراج نہ ہو؛ لیکن بالآخر ہمارے مخدوم کے بھی مخالفین کھڑے ہوئے، گستاخوں نے اپنا چہرہ دکھایا، ان کی حرکتوں سے اطمینان ہو گیا کہ یہ بندۂ خدا مقبول عنداللہ ہے؛ کیوں کہ ہر زمانہ میں مقبول بندوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا ہے؛ چنانچہ:

قیل أن الإلٰــه ذو ولـد ❖ و قیل إن الرسول قد کهنا

ما نجی اللّٰه و السول من ❖ لسـان الوری فکیف أنا

(اللہ صاحبِ اولاد ہے کہا گیا، رسولؐ کاہن ہے کہا گیا، جب الہ اور رسول مخلوق کی زبان سے نہیں بچے تو میں کس شمار میں)

بہت کچھ کہا گیا، لکھا گیا، سازشیں کی گئیں؛ مگر یہ خداترس بندہ کسی کا جواب دیے بغیر ایک اللہ کو راضی کرنے میں لگ گیا، اللہ کی سنت ہے وہ اپنے دوستوں کی طرف سے خود جواب دیتا آیا ہے، جواب کا انداز الگ الگ رہا ہے، ایک جواب جنازہ نے دے دیا کہ یہ گوشہ نشین بندہ کس قدر مقبول ہے، اس کی جدائی پر رونے والے کتنے ہیں۔

اس موقعہ پر امام احمد بن حنبلؒ کی بات یاد آ رہی تھی جو آپ نے اپنے مخالفین کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی؛ چنانچہ:

وَقَالَ الدَّارَ قُطْنِيُّ سَمِعْتُ أَبَاسَهْلِ بْنِ زِيَادٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَحْمَدَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ أَبِيْ يَقُوْلُ: قُوْلُوْا لِأَهْلِ الْبِدَعِ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْجَنَائِزِ حِيْنَ تَمَرّ. (البدایۃ والنہایۃ: ج۱۰/ص۳۷۵)

امام الدار قطنیؒ نے امام احمدؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند عبداللہ بن احمد نے کہا کہ میرے والد گرامی فرمایا کرتے تھے: اہلِ بدعت سے کہہ دو کہ ہمارے جنازے جب نکلیں گے تو وہی ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے۔

امام ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امام احمدؒ کا یہ قول سچ کر دکھایا؛ کیونکہ وہ اپنے دَور میں اہلِ سنت کے امام تھے۔

اوران کے چوٹی کے مخالف احمد بن ابی داؤد جو چیف جسٹس بھی تھا اس کو جب موت آئی تو کسی نے ادھر توجہ نہ دی اور اس کے جنازے کے ساتھ چند سرکاری عہدیداروں کے سوا کوئی نہ تھا اور مشہور صوفی حارث بن اسد المحاسبی باوجود اس کے کہ بڑے زاہد، پارسا اور اپنے نفس کا شدید محاسبہ کرنے والے تھے، ان کے جنازے پر بھی

تین چار افراد ہی آئے، اسی طرح بشر بن غیاث المریسی جب فوت ہوا تو محض چند افراد ہی اس کے جنازے پر حاضر تھے۔ (البدایہ والنہایہ: ج/۱۰ ص/۳۷۵)

علما اس وقت کہا کرتے تھے کہ:

بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْجَنَائِز

''ہمارے اور دوسروں کے درمیان میں جنازے ہی تو فرق کیا کرتے ہیں''۔ (فقہ اسلامی ایک تعارف ایک تجزیہ)

ہمارے مخدوم کے جنازے میں شریک ہونے والا مجمع کیا تھا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا، اپنے پرائے سب تعزیت کے قابل تھے، نمناک آنکھیں تھیں، شہر کی برکت اور روحانیت اُٹھتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

ہمارے مخدوم نے اپنا ہر معاملہ اپنے رب کے حضور رکھ دیا، ہم بھی انھیں کے طرز پر اپنی زندگی کا آغاز کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ:

﴿وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ﴾ (غافر)

''اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ سارے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے''۔

خاتمہ:

یہ چند معروضات اور جذبات راقم السطور نے عرض کر دیے، ہمارے مخدوم کی خوبیوں کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش کی ہے؛ چونکہ اس عاجز کے اندر شروع ہی سے کماحقہ' اکابر سے استفادہ کرنے کا سلیقہ نہیں تھا اور اب تک بھی وہ استعداد پیدا نہیں ہوئی ہے، اسی وجہ سے یہ عاجز مخدوم محترم سے بھی اسی قدر یا اس سے بھی کم استفادہ کر سکا جیسا کہ ایک مثال زبان زد ہے: **قدر النعمة بعد الزوال** یعنی نعمت کے زوال کے بعد ہی اس نعمت کی قدر ہوتی ہے اللہ معاف فرمائے۔

جتنی خوبیاں سپردِ قرطاس کی گئیں انھیں خوبیوں کی وجہ سے آج تک اس خاندان کی برکتیں محسوس کی جا رہی ہیں اور آئندہ بھی انھیں خوبیوں کے ذریعہ اس خاندان کا فیض پھیلے گا ان شاء اللہ العزیز۔

اللہ ہمیں ان اکابر کے نقوش کو اپنانے کی توفیق دے، آمین۔

❑❖❑

تذکرۂ اولیاء

علم وادب کی قد آور شخصیت

حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب رحمہ اللہ

ازقلم: مولانا نجم الدین صاحب قاسمی انبہٹوی، ترجمان خانقاہ عظیمیہ وناظم مدرسہ خلیلیہ انبہٹہ پیر سہارنپور

برصغیر کے مسلمانوں پر دینی وعلمی نقطۂ نظر سے جن خانوادوں کا سب سے زیادہ احسان ہے اُن میں اگر خاندانِ قاسمی پہلے نمبر پر ہے تو میری ناقص رائے کے مطابق خاندانِ انوری دوسرے پر اگر نہیں تو تیسرے پر ضرور ہے، اس خاندان کے سب سے بڑے عالم امام المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی شخصیت سے کون ناواقف ہے، ان کے بارے میں کچھ لکھنا بھی تحصیل حاصل ہے، ان کے فرزندان حضرت مولانا ازہر شاہ قیصر اور حضرت علامہ انظر شاہ کشمیری رحمہما اللہ کو بھی اپنے معاصرین میں امتیازی حیثیت حاصل ہوئی، آخر الذکر شخصیت کی ایک مرتبہ پہلی اور آخری زیارت کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب راقم اپنے جدامجد حضرت مولانا عظیم الدین صاحب انبہٹوی کے ہمراہ گنگوہ حضرت امام ربانی مولانا رشید گنگوہی رحمہ اللہ کے مزار پر گیا ہوا تھا، یہ وہ وقت تھا جب احقرعم پارہ حفظ کررہا تھا، جن کے پہلے دیدار نے مجھے آہن پاروں کی طرح اپنا اسیر بنالیا تھا۔ ان کے بعد زبان وقلم میں ان کے عکسِ جمیل اور لاڈلے بھتیجے حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر رحمہ اللہ سے کئی ملاقاتیں رہیں، اپنے مختلف مضامین بھی ان کو دکھلائے، انھوں نے حوصلہ افزائی میں کبھی بھی صرفِ نظر سے کام نہیں لیا۔

سرخی مائل رنگ، کشادہ پیشانی، فراخ چشم، کسی قدر مستطیل چہرہ، بھرے ہوئے رخسار، گھنی داڑھی، متوسط قد، نہ دُبلے پتلے نہ ہی بہت لحیم وشحیم، زیادہ تر نگاہیں جھکی ہوئیں، ایک ایک ادا وقار واعتبار کا مظہر، ذوقِ نفاست ایک ایک چیز سے آشکار، چوڑا چکلا سینہ، سیدھا سادا لباس، سفید کرتا اور ہم رنگ پاجامہ، سردیوں میں شیروانی لازم اور ہم رنگ کلاہ۔

پیدائش ۲۵ /اگست ۱۹۶۰ء کو دیوبند میں ہوئی، نسیم شاہ ان کا اصلی نام ہے اور نسیم اختر شاہ قیصر قلمی نام ہے۔

دینی تعلیم ازاوّل تا آخر اس گلشن سے حاصل کی جس کی ہر شاخ منت بردار ہے، جس کی ہر کلی میں خوشبو رچی بسی ہے، اس مشک ختن کی، جس کی ہر سانس میں مستی ہے، اسی نسیم سحری کی، ۱۹۸۱ء دارالعلوم سے فراغت حاصل کی،

آپ کو حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت خطیب الاسلام مولانا سالم قاسمی، حضرت خر المحد ثین مولانا انظر شاہ کشمیری رحمہم اللہ وغیرہ پیشواں بزم تدریس وصدرنشیناں مجالس حدیث وفقہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، جامعہ اُردو علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر، اور ادیب کامل کی سند حاصل کی اور آگرہ یونیورسٹی سے اُردو زبان میں ایم اے پاس کیا، تعلیم سے فراغت کیبعد تدریس کے مبارک سفر کا آغاز دارالعلوم وقف دیوبند سے شروع ہوا اور تاحیات یہ سفر بلا انقطاع بڑی دھوم دھام سے جاری رہا، دارالعلوم وقف کے در وبام ان کی تدریسی خدمات کی انفرادیت کے عادل وشاہد ہیں۔ جنوری ۱۹۷۳ء سے مضمون نگاری کی شروعات ہوئی اور تاہنوز یہ سلسلہ قائم رہا۔ آپ کے دینی، علمی، فکری، سیاسی، سماجی، ادبی اور شخصی مضامین کی تعداد تقریباً ۱۲۵ ر تک پہنچتی ہے۔

روزنامہ قومی آواز، روزنامہ راشٹریہ سہارا، روزنامہ ہمارا سماج، روزنامہ انقلاب ہفت روزہ، نئی دنیا دہلی اور ہفت روزہ راشٹریہ سہارا سمیت ملک وبیرونِ ملک کے دیگر مختلف اخبارات ورسائل نے آپ کے گراں قدر مضامین شائع کیے ہیں۔

۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۷ء تک پندرہ روزہ اشاعت حق دیوبند کی ادارت بھی کی۔ تقریباً پچاس سے زائد کتابوں پر انھوں نے مقدمے، تاثرات اور تقاریظ لکھے۔

اب تک جن کے لیے مدظلہٗ اور دامت برکاتہٗ لکھا جاتا تھا انھیں اب مرحوم لکھنا ہی پڑیگا، ایسی شخصیات میں شامل تھے جن کے بغیر بزمِ علم وادب عرصۂ دراز تک سونی سونی نظر آئیگی۔ ان کی تحریر، ان کی تقریر اوران کی بذلہ سنجی سے پُر نکتہ سنجی ایسے اوصاف تھے جو ہر محفل کو زعفران زار بنادیتے تھے۔ ان کی باغ وبہار شخصیت اوران کے نپے تلے تیز طرار جملے اچھے اچھوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیتے تھے، جوان کے دوست بھی تھے اور دشمن بھی؛ مگر نسیم اختر شاہ قیصر ہمیشہ اپنی کج کلاہی کے بھرم کو قائم رکھتے تھے۔ شاہ صاحب کو ان کی خداداد صلاحیتوں نے اپنی ایک الگ شناخت بخشی، انھوں نے بات کہنے کا ایک نیا آہنگ اور نیا لب ولہجہ اپنایا، ان کی انشاء پردازی دوسروں س مختلف تھی؛ حالانکہ بظاہر ان کی انشاء پردازی بھی دوسروں سے سے جدا معلوم نہیں ہوتی؛ مگر اس کی روانی، سلاست، رسیلا پن، حقیقت بیانی ایسی پُر تاثیر ہوتی تھی کہ ان کی تحریر پڑھے بغیر چھوڑنے کو دل تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔

ان کا مطالعہ یک جہتی نہیں تھا؛ بلکہ انھوں نے مختلف جہات میں مطالعہ کا رشتہ قائم کیا اوران حدود میں داخل ہو چکا تھا جہاں حد بندیاں ختم ہوجاتی ہیں اور علمی، تحقیقی کتابوں کے ساتھ ادبی مطالعہ کو بڑی اہمیت دی۔ پڑھنا اور لکھنا یہی ان کی زندگی تھی، یہی صبح اور یہی شام، مولانا کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے قلم کو اپنے معاش کا ذریعہ نہیں بنایا؛ بلکہ وہ قدیم لوگوں کی طرح اخلاص وجذبِ دروں کے ساتھ لکھتے رہے اور مسلسل لکھتے رہے۔

نعیم اختر صاحب کی میں نے تقریریں بھی سنیں، جوش سے آراستہ، زبردست قسم کی لفاظی، خود کہا کرتے تھے مجھے جوشیلی تقریریں ہی پسند ہیں۔

جب بولنے پر آتے تو بولتے ہی چلے جاتے، لگتا تھا وہ ایک دریا ہیں جو سبک خرامی کے ساتھ بہہ رہا ہے اور تشنہ لبوں کو سیراب کرتا چلا جارہا ہے، ہر جہت سے گفتگو کرتے تقریر میں چاشنی ایسی کہ سنے بغیر چارہ نہیں، سمع ایسا بندھ جاتا کہ اٹھنا تو درکنار حرکت و جنبش بھی اس کے اختیار میں نہ رہتی۔

حلقۂ علم وادب میں وہ اس واسطے بھی قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے کہ وہ ادبی روایتوں کی پاسداری کے ساتھ ساتھ فکر و عمل، اخلاق وکردار، شرافت وانسانیت، لحاظ ومروت کی روایتوں کو بھی سینے سے لگائے ہوئے تھے، انھوں نے پچھلوں کے سی بے نفسی و بے غرضی کے چراغ کو بھی گل ہونے نہیں دیا، ان کی یادیں بہت دن تک ستائیں گی۔

گزشتہ ۱۳ر صفر المظفر ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۱ر ستمبر ۲۰۲۲ء بروز اتوار کو جس شخصیت کو لوگوں نے اتنی آسانی سے اپنے جدامجد حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں سلادیا اتنی آسانی سے انھیں بھلادینا ممکن نہیں ہے۔

ماشاءاللہ ان کے لائق وفائق بیٹے مولانا مفتی عبیداللہ انور قاسمی صاحب مدظلہٗ صاحب علم وکمال اور علمی دنیا کا متاعِ گراں سرمایہ ہیں۔

بلندیاں اُتر آتی ہیں جس کے آنگن میں
زمین پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح

خدا انھیں وہاں کی بہاریں نصیب کرے، آمین۔

❑❖❑

نعت پاک

شاعر: مولانا محمد اویس صاحب رشادی، مدرس دارالعلوم شاہ ولی اللہ بنگلور

کروں کیسے بیاں ان کو، لفظ میرا ثناء ان کو
جہانوں میں وہ ارفع ہیں، ہوا رتبہ عطا ان کو

وہ چمکے ہیں نبی بن کے، ملائک سے بھی آگے ہیں
رسولوں کی یہ سرداری، خدا نے ہی دیا ان کو

درودوں کا یہ گلدستہ، فرشتوں کا ہے نذرانہ
صَلُّوا کا حکم دے کر، دیا تحفہ خدا ان کو

صلہ رحمی خبر گیری، طرف داری حقیقت کی
وہ مہماں کی ضیافت کا، بڑا حصہ ملا ان کو

شریروں نے کسے طعنے، ضُحیٰ کہہ کر تسلی دی
بشارت و ہدایت دی، وحی کا لطف ملا ان کو

شبِ معراج جب آئی، خدا کے وہ حضوری میں
مقام ان کا سبحان اللہ، مبارک ہو لقاء ان کو

سفر ہجرت ہوا آخر، صحابہؓ کو مبارک ہو
خوشی کا دن ہوا وہ دن، طلع البدر کہا ان کو

ستودہ خوبیاں لے کر، مقامِ حمد پر فائز
شفیع مذنبین ہیں وہ، لواءِ حمد ملا ان کو

مدثر و مزمل ہیں، صادق و امیں بھی ہیں
احمد اور محمد سے، مختص بھی کیا ان کو

یقین جانو یہ جرات ہے، چلا کہنے نعت ان کی
اویس ان کی غلامی میں، سلام اپنا کہا ان کو